ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور



ملت کے مسائل کا حل

امریکہ کی پچاس ریاستیں ایک وحدت ہے۔
روس کی تقریباً بائیس ریاستیں سوویت یونین کی شکل میں ایک وحدت ہے۔
دولت مشترکہ برطانیہ بھی تقریباً آٹھ حکومتوں کی ایک وحدت بنی ہوئی ہے، تو کیا
مسلمانانِ ایشیا و افریقہ وغیرہ تقریباً سب چھوٹی بڑی ریاستیں ایک "اسلامی یونین" نہیں
بن سکتی؟ ایسا ہو جائے تو یہ امن عالم کیلئے بھی ایک بے مثال طاقت ہوگی اور عالم اسلام
کے تمام مسائل بلا جنگ و خونریزی کے حل ہو جائیں گے۔ قوت کے جن اسباب
کی ضرورت ہے، وہ اس مجوزہ اسلامی یونین کے مقابلے میں کسی حکومت کو
دنیا میں حاصل نہیں۔ صرف وحدت اور تنظیم کی ضرورت
ہے

احادیث الرسول ﷺ

دوست کا تعارف

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ نَعَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَإِنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

ترجمہ: حضرت یزید بن نعامہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے میل جول کرے تو چاہیے کہ اس کا نام پوچھے اس کے والد کا نام پوچھے اور دریافت کرے کہ تم کس گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔ کیوں کہ اس سے وہ تم سے زیادہ مانوس ہوتا چلا جائے گا۔

اسلام آدمیوں کو باہم مل جل کر رہنا سکھاتا ہے۔ کیونکہ زندگی کا دار و مدار امداد باہمی پر ہے اور اس کا عملی طریقہ سب سے پہلے ایک دوسرے سے ملنا، تعارف حاصل کرنا اور بات چیت کرنا ہے۔ اسی لیے اس پر زور دیا گیا ہے کہ جب کسی کو دیکھو تو چپ چاپ اس کے پاس سے مت گزر جاؤ۔ بلکہ کہو السلام علیکم۔ اس کے جواب میں دوسرا کہے وعلیکم السلام۔ اسی طرح اگر کہیں جاؤ تو چپ چاپ نہ داخل ہو سب سے پہلے جو کلام منہ سے نکلے وہ سلام ہونا چاہیے۔ سلام کے بعد آدمی کی حالت پوچھو۔ پہلے اس کا نام معلوم کرو پھر اس کے والد کا نام پوچھو اور پھر یہ معلوم کرو کہ وہ کون سے کنبہ قبیلہ اور کس خاندان سے ہے۔ اب بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سے آپس میں بے تکلفی بڑھے گی اور دلی تعلقات پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔

اکثر آدمیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے پاس سے خاموشی سے گزر جاتے ہیں ایک دوسرے کو سلام دعا تک نہیں کرتے — جہاز ریل گاڑی اور بس میں گھنٹوں اکٹھے سفر کرتے ہیں مگر ایک دوسرے سے تعارف تک نہیں کرتے۔ یہ انفرادیت کی بیماری مغربی معاشرہ کی تھی جو آج مشرق میں اور خود مسلمانوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے زیادہ تر اسی وجہ سے کہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ بات کریں تو کیا کریں۔ اس لیے اس کی بابت اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔ کم سے کم سلام اور جواب سلام اس سے آگے اگر فرصت ہو تو ایک دوسرے کے نام و نشان اور کنبہ خاندان وغیرہ کے بارے میں سوالات۔ حدیث میں بتا دیا گیا ہے کہ ایسا کیوں کرنا چاہیے۔ ارشاد ہے کہ اس سے بیگانگی دور ہو جائے گی۔ اور ایک دوسرے سے زیادہ جان پہچان ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد کی بات چیت میں سہولت ہو گی۔ کیونکہ اگر ایک دوسرے کے نام کنبہ اور خاندان کا علم نہ ہوا تو ممکن ہے کہ گفتگو میں کوئی ایسی بات منہ سے نکل جائے جس میں نادانی سے خود اس آدمی یا اس کے ملنے جلنے والے خاندان کے متعلق کوئی دل دکھانے والی بات ہو نام وغیرہ معلوم ہونے کے بعد اس سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

دوست دوست کے ساتھ ہوگا!

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهُ إِنِّي لَأُحِبُّ هٰذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمْتَهُ قَالَ لَا۔ قَالَ قُمْ فَأَعْلِمْهُ فَقَامَ إِلَيْهِ فَأَعْلَمَهُ فَقَالَ أَحَبَّكَ الَّذِي أَحْبَبْتَنِي لَهُ قَالَ ثُمَّ رَجَعَ فَسَأَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں ایک شخص

(باقی ۳۱ پر)

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

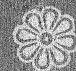
جلد ۲۳ — ۶ — شمارہ ۲۴
۳۱ مارچ — تا — ۷ اپریل ۱۹۷۸ء

رئیس الادارہ
جانشین شیخ التفسیر
حضرت مولانا عبید اللہ انور

مدیر
محمد سعید الرحمن علوی

بدلِ اشتراک

سالانہ — ۶۰ روپے
ششماہی — ۳۰ روپے
سہ ماہی — ۱۵ روپے
فی پرچہ — 1/50 روپیہ



اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ

لاہور ہائی کورٹ کے ایک فل بنچ نے آج ایک ایسا فیصلہ سنایا جو کروڑوں دکھی دلوں کی آواز ہے، جو نظام عدل کا لازمی تقاضہ ہے اور جس پر عمل ہونے سے پاکستان بہت ساری مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔ یہ فیصلہ "نئے پاکستان" کے سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو کی پھانسی کا فیصلہ ہے، جس کے دامن پر مشرقی پاکستان کو ظلماً علیحدہ کرنے کا داغ ہے، وہ بھٹو جو ملک کا قاتل ہونے کے ساتھ علم، تہذیب، معاشرت، انسانیت اور شرافت کا قاتل ہے۔ جس نے اپنے اقتدار کی خاطر عوامی مارشل لار کا سہارا لیا، جس نے ملک میں شراب و کباب اور زنا و بدکاری کا منظم کاروبار کیا۔ جس نے دنیا بھر کے کرپٹ اور بے حیا لوگوں کو اپنا مقرب و جلیس بنا کر پاکستان کو تباہی کے غار میں دھکیلا، جس نے سیلاب و زلزلہ جیسی قدرتی آفات سے متاثر ہونے والے لوگوں کے لیے آنے والی آمدنی کو اپنی ضروریات و مقاصد پر خرچ کیا، جس نے فکری گمراہی کو پروان چڑھایا، جس نے انتظامیہ کو اپنی مرضی کے گندے انڈوں سے بھر دیا۔ جس نے مادر و پدر آزاد صحافیوں کو جام و جم کا رسیہ بنا کر اور ملکوں ملکوں سیر کرا کر ان سے اپنی مرضی کا کام لیا۔

وہ بھٹو جو قاتل ہے مولانا شمس الدین کا، خواجہ رفیق کا، جاوید نذیر و عبد الصمد اچکزئی کا، جس نے ڈاکٹر نذیر کو قتل کرایا، جس نے منیر شہید کے خون سے ہولی کھیلی، وہ بھٹو جس نے اردو سندھی کے جھگڑے پر سندھ میں آباد مہاجرو پنجابی اور پٹھانوں کے معاملہ میں نازیوں کی یاد تازہ کر دی، جس نے حروں کی آنکھیں نکلوا کر انہیں مروا دیا۔ جس نے لیاقت باغ میں خونی ڈرامہ رچایا — جس نے سرحد و بلوچستان کی منتخب حکومتوں کو ظلماً توڑ کر وہاں کے رہنماؤں کو جیل میں ڈالا، ان پر بغاوت و غداری کے فرضی کیس کھڑے کیے، اور ان کے جیل بھیجنے کے بعد ان کے بچوں کو بھی جیل بھجوا دیا اور یا اغوا کر کے مروا دیا — جس نے ۱۹۷۳ء کی تحریک بحالی جمہوریت میں قومی ورکروں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا، اور خواتین تک کی بے حرمتی کی، جس نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں دو درجن سے زائد مسلمانوں کی

پبلشر مولانا عبید اللہ انور، پرنٹر الٰہی بخش مطبع کاسمو پرنٹرز ۴۸ ڈی موری گیٹ لاہور

موت کا تماشہ دیکھا اور بعد از خرابی بسیار آئینی ترمیم پاس کر کے بھی اس پر عمل درآمد سے گریز کیا۔ جس نے ۷۷ء کے انتخابات میں دھونس و دھاندلی کا ریکارڈ قائم کیا، اور پھر تحریک میں سینکڑوں انسانوں کو شہید کروایا، ہزاروں کو جیل ڈالا، مسجدوں کی بے حرمتی کی، خواتین کی ناموس کو مجروح کیا، ان کی گودوں میں ان کے بچے بھُون دیئے، وکلاء پر لاٹھیاں برسائیں اور علماء کی داڑھیاں نچوائیں وہ اپنے وقت کا ہلاکو و چنگیز اور ہٹلر و مسولینی نواب محمد احمد خان کے قتل کے سلسلہ میں کیفرِ کردار کو پہنچا۔ عدالت نے اس کا جرم ثابت ہونے پر پھانسی کا حکم دے دیا۔ البتہ ارمان پورے کرنے کے لیے سات دن کے اندر اندر سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دے دیا۔

یہ فیصلہ ملکی عدالت کی تاریخ کا سنہری فیصلہ ہے، اس سے پاکستان کا سر عزت و وقار سے بلند ہو گیا اور اندازہ ہو گیا کہ آج کے اس گئے گزرے دور میں اچھی روایات قائم کرنے والے لوگ موجود ہیں۔

غنڈوں نے جج حضرات کی کوٹھیوں پر فائرنگ کر کے اور گھر گھر ہینڈبل تقسیم کر کے خوف و ہراس پیدا کرنا چاہا، ججوں کو دبانا چاہا ان کی ضمیر کی آزادی چھیننا ان کے قلم کو توڑنا چاہا لیکن وہ شیروں کی طرح آگے بڑھے اور جو حق سمجھا وہ کہہ دیا۔

کل کا وزیر بلکہ وزیر اعظم اور ہمہ مقتدر اب اپنی زندگی کے دن گن رہا ہے۔ اور جب اس کا لاشہ پھانسی گھر سے باہر آئے گا تو ان ماؤں کے جگر ٹھنڈے ہوں گے جن کے لختِ جگر اس ظالم نے چھین لیے۔

ہماری خواہش ہے کہ بھٹو کے رفقاء بھی اسی طرح اپنے کیے کی سزا بھگتیں۔ بعض لوگوں کا آزادانہ گھومنا پھرنا ہماری حیرتوں کا باعث ہے۔ خان قیوم، مصطفٰے کھر، حنیف رامے، اکبر بگٹی، کوثر نیازی، جتوئی، نصر اللہ خٹک جیسے لوگ جب یوں پھرتے ہیں تو ہمیں رنج ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عدالت کے سامنے آئیں۔ عدالت انہیں بری قرار دے تو بسم اللہ لیکن اس طرح ان کا پھرنا ہزاروں افواہوں کو جنم دے گا۔ جن کا ملک کے مستقبل پر ناخوشگوار اثر پڑے گا۔

اس فیصلہ سے سبق سیکھیں وہ لوگ جو مقتدر ہونے کے زعم میں ناچتے پھرتے ہیں، ظالم زود یا بدیر اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ بہت سے ظالم جس طرح خود ہمارے یہاں انجام کو پہنچے اس پر قلم اٹھایا جائے تو صنم بھی ہری ہری کہے گا۔ لیکن افسوس کہ صبح و شام کے انقلاب بھی لوگوں کو اندھا کر دیتے ہیں۔

اب ضرورت ہے اس بات کی کہ ہمارے عبوری حکمران سول حکومت کے قیام کی طرف پیش رفت تیز تر کر دیں اور بڑی تیزی کے ساتھ بدعنوان و ضمیر فروش سیاستدانوں صحافیوں اور انتظامیہ کے گندے انڈوں کو ٹھکانے لگا دیں، تاکہ اس ملک میں تیس سال بعد تو سکھ اور چین کا ماحول پیدا ہو سکے۔ ان معروضات کا حرفِ آخر مرحوم مولانا ظفر علی خان کا شعر ہے ؎

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اسکی
ڈر اسکی دیرگیری سے کہ سخت ہے انتقام اسکا

اسرائیل کا تازہ حملہ

یہودی مملکت اسرائیل کے خوں آشام بھیڑیوں نے اپنے جذبہ نفرت و انتقام کی تسکین کی غرض سے ایک بار پھر نہتے اور مظلوم فلسطینیوں کو تختۂ مشق بنانے کے لیے لبنان کا علاقہ تجویز کیا ہے اور وہ درندگی و بربریت کا جی بھر کر مظاہرہ کرتے ہوتے شہری آبادیوں تک کو نشانۂ ستم بنا رہا ہے۔

یہ ظالمانہ حملہ اس نے ایسے وقت میں کیا جب مصر کے صدر سادات ساری دنیا کی ناراضی مول لے کر "امن" کی تلاش میں وہاں پہنچے —— یہ سلسلہ بنتا بگڑتا ابھی تک کسی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ اسرائیل نے یہ ظالمانہ اقدام کیا اور ان سطور کی تحریر کے وقت بھی ریڈیو سے اسی انداز کی خبریں نشر ہو رہی ہیں۔

عرب بھائیوں نے اس جارحیت کے سلسلہ میں دنیا کی اقوام کو متوجہ کرنے کیلئے اقوامِ متحدہ کا اجلاس بلا لیا ہے، دیکھیں کہ اقوامِ متحدہ کے عالمی ادارہ میں شریک اقوام کیا کرتی ہیں، اور خونخوار بھیڑیے کی گردن دبوچ کر اسے غرقِ نیل کب کرتی ہیں؟

ہم اس صورتِ حال پر سخت رنجیدہ خاطر ہیں۔ اعلان بالفور جو یہودی مملکت کے قیام کا ذریعہ بنا اس سے لے کر اب تک مشرقِ وسطیٰ میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ آئے دن کی جنگیں اور اس میں بے پناہ نقصانات روز کا معمول بن چکا ہے، جہاں تک اقوامِ متحدہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک وہ ایک بے مقصد ادارہ ہے۔ مجلس اقوام کی طرح کفن چوروں کی ایک ایسی انجمن ہے جس پر "پانچ بڑوں" کی اجارہ داری ہے، وہ پانچ بڑے جو اللہ کی دھرتی پر خدا کے سب سے زیادہ مغضوب ہیں، جو انسانی قدروں سے عاری ہیں، جنہیں شرافت و انسانیت سے دور کا واسطہ نہیں۔

وہ سانپ اور بچھو بن کر اس ادارہ پر مسلط ہیں۔ "ویٹو" کا ظالمانہ حق ان کے پاس ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں اور جس کے لیے چاہتے ہیں اس حق کو استعمال کر کے ساری کاروائی سبوتاژ کر دیتے ہیں۔ اور مظلوم اقوام ان بھیڑیوں کا منہ تکتی رہ جاتی ہیں۔ اس مصیبت عظمیٰ سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت تھی اور ہے کہ اس بے مقصد ادارہ سے مسلمان من حیث القوم علیحدہ ہو کر اپنی پلیٹ فارم بنائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو کام میں لا کر برق وآندھی بن کر دنیا پر چھا جائیں۔

مصیبت کی اس گھڑی میں ہم اپنی مسلم برادری کو انابت الی اللہ کی دعوت دیتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ آؤ اجتماعی طور پر اس خالق ارض وسما کے آستانہ قدس پر جھک جاؤ جس نے بدر و حنین میں فرشتوں کے ذریعہ اپنے مخلص بندوں کی امداد فرمائی تھی۔

آؤ اس مالک کائنات کی چوکھٹ پر جبین نیاز جھکا دو جو ابابیلوں کے ذریعہ ہاتھیوں کا لشکر تباہ کرنے پر قادر ہے۔

خود ساختہ امتیازات سے بالاتر ہو کر لاالہ الا اللہ کی عالمگیر صداقت کو اپنا لو۔ اور جسد واحد بنا لو۔ اس طرح کہ تم میں سے ہر کسی کی تکلیف پورے عالم اسلام کی تکلیف بن جائے۔ واحسرتا کہ تین درجن کے لگ بھگ مسلم ممالک میں اللہ کا دین بہ حیثیت نظام ناپید ہے اور انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی حکمرانی جاری ہے۔

افسوس کہ ہم نے "واعدوالھم مااستطعتم من قوۃ" کے قرآنی حکم کو بھلا دیا ورنہ آج ملک ملک ہمارے پاس میزائل و بم کے کارخانے ہوتے، ہمارے پاس بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہوتے اور سب سے بڑھ کر ہمارا ایمان اپنے پیدا کرنے والے پر ہوتا اور اس کی عظمت وکبریائی سے ہمارے دل لبریز ہوتے، ہم جیتے تو اس کے لیے اور مرتے تو اس کیلئے۔

اے عزیزان گرامی! اب بھی کچھ نہیں بگڑا اٹھو اپنی صفیں متحد کرو، اپنے اندر دینی انقلاب بپا کرو، اپنے اپنے ممالک کو اسلامی نظام کے نور سے منور کر دو، پھر یقین کرو کہ یہ دنیا تمہارے قدموں تلے ہوگی۔

ہم اس قیامت صغریٰ کی گھڑی میں اپنے مظلوم عرب بھائیوں کے لیے جہاں اپنے اللہ کے حضور دست بدعا ہیں وہاں تمام مسلم حکومتوں بالخصوص اپنی حکومت سے گذارش کریں گے کہ وہ پوری تندہی کے ساتھ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کرے اور ہر محاذ پر ان کا بھرپور ساتھ دے۔ اس کے ساتھ ہی ملک کے ہر طبقہ کو اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ قوت و طاقت دے جس کے ذریعہ ہم یہود اور اس کے بے حیا حلیفوں بلکہ سرپرستوں کی گردن مروڑ کر دنیا میں نظام عدل کو قائم کر سکیں اور ظالموں کا قلع قمع کر سکیں۔

18-3-78



بعد از خطبہ مسنونہ!

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ۔

الّذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم ؕ

اس بارے میں چند باتیں عرض کرونگا کہ ایک ذکر ہوتا ہے اور ایک تزکیہ، ذکر تو وہ ہے جو ہم زبان اور دل سے اللہ کا نام لیتے ہیں اور تزکیہ گناہوں اور معصیت سے دل اور رُوح کو پاک کرنے کا نام ہے۔ ذکر تو مسجد میں ہوں، دوکان پر ہوں، راستے میں چلے جا رہے ہوں، کسی مجلس میں بیٹھے ہوں، گھر میں ہوں، وضو سے ہوں یا بغیر وضو کے، ہر حال میں جائز اور رُوا ہے۔ لیکن ذکر فائدہ تب دیتا ہے جب پہلے تزکیہ ہو چکا ہو۔ اگر ایک شخص کے دل پر شرک و بدعت کی دبیز تہیں جمی ہوئی ہوں۔ کینہ، حسد، بغض، ریاء کے پردے چڑھے ہوتے ہوں۔ رات دن اس کا مشغلہ سود اور رشوت کا مال حرام کھانا ہو۔ ایسا شخص جب تک ان برائیوں کو چھوڑنے کا مصمم ارادہ نہ کرلے اس وقت تک صرف اللہ کا نام لینا اس کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ جب ارادہ نیک ہو، نیت بخیر ہو، اور برائیوں سے اجتناب کا جذبہ دل میں موجزن ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو، تب اس کو ذکراللہ فائدہ دیتا ہے۔ اتنی بات یاد رکھئے کہ تزکیہ خود نہیں ہو جاتا، بلکہ کسی اہل اللہ، نیک اور پارسا عالم باعمل اور کوششوں میں لگے ہوتے اور کم فہم عوام کا خون چوس رہے ہیں۔ ان کی جیبیں کاٹ کر پیٹ کا ایندھن مہیا کرنے کے لیے جگہ جگہ دوکانیں سجا رکھی ہیں۔ خداوند ہمیں ان جاہل اور دھوکہ باز پیروں سے بچائیے۔

حضرت قدس اللہ سرہٗ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"ہمارا وہی امام ہو سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں مشعل احادیث خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہو۔ جو ان دونوں نوروں کی روشنی میں چلے اور ہمیں چلائے۔"

لیکن ایسے لوگ تو چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈیں تب کہیں ٹھوکریں کھانے کے بعد اور مال و جان کی دولت لٹانے کے بعد شاید اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ آج ہی نماز کے بعد خدام الدّین کا بنوری نمبر دیکھا تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ صاحب ذکر و فکر کی صحبت انتہائی ضروری ہے۔ خاص کر فتنوں کے اس زمانہ میں نیک لوگوں کی مجالس انتہائی ضروری ہیں۔ جب کہ نیکی اور بدی، حلال و حرام کی تمیز مشکل ہو چکی ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

"اللہ والے تینوں نعمتیں خدا کی رضا کا تمغہ، دل کا سکون اور شیطان کو شکست دینا آدھے منٹ میں سکھا دیتے ہیں۔"

لیکن اہل اللہ کی اس زمانہ میں کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔ اکثریت جہلا کی ہے جو اللہ والوں کی نقالی کر کے اہل اللہ کو بدنام کرنے کی مذموم یادیں تازہ ہوگئیں۔ اللہ نے کسقدر خوبیوں سے نوازا تھا۔ ایک باعمل عالم ہونے کے ساتھ حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ دونوں کے مجاز تھے۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کم ہی انسانوں کو حاصل ہوا۔ ادارہ خدام الدین اور اس کے اراکین کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے اراکین ادارہ کو اس کام کی توفیق عطا فرمائی۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسے نیک، متقی اور پاکباز اور حق گو علماء حق کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



اَمّا بَعدُ! اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ط

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ط

محترم حضرات! چند گذارشات عرض کروں گا۔ آیت متلوکی تشریح و توضیح سے قبل ترجمہ آیت سماعت فرمایئے:

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔"

(ترجمہ حضرۃ لاہوریؒ)

قلتِ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایجاز و اختصار سے کام لوں گا ورنہ قرآن کی ہر آیت ایک سمندر ہے۔ جس کی تشریح و تفسیر کے لیے دفاتر بھی ناکافی ہیں اور یہ آیت تو اس مسئلہ سے متعلق ہے جو اقتصادیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آج جو ظَہَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ والبحر کا دنیا نمونہ بنی ہوئی ہے اور ہر طرف معاشی بحران کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق اس کی جزئیات کا جاننا اور سمجھنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ بحضرۃ شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

"ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے سو لے چکے۔ لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا اس کو ہرگز نہ مانگو۔"

حرمت سود کا حکم نازل ہونے سے قبل ملک عرب میں سود کا رواج اور دستور پھیلا ہوا تھا۔ جب قرآن میں سود کی حرمت نازل ہوئی تو صحابہ کرام جنہوں نے کچھ لوگوں سے سود کی رقم وصول کرنا تھی ترک کر دی۔ بعض نے اپنا مطالبہ جاری رکھا۔ مفسرین کرام نے اس آیت کے شانِ نزول کا جو واقعہ تفاسیر میں درج کیا ہے۔ اس واقعہ کی روشنی میں آیت کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

اسلام سے قبل بنی مخزوم قبیلہ اور ایک دوسرے قبیلہ بنو ثقیف کا آپس میں خرید و فروخت اور سودی لین دین کا کاروبار جاری تھا۔ جب قبیلہ بنی مخزوم اسلام کی دولت سے سرفراز ہوا تو ان کے ذمے بنو ثقیف کا سود باقی تھا۔ بنو ثقیف جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، انھوں نے اپنے سود کا مطالبہ کیا۔ بنی مخزوم نے سود لوٹانا اس لیے روا نہ سمجھا کہ وہ اسلام لا چکے ہیں اور اسلام میں سود حرام ہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ جھگڑا مکہ مکرمہ کے امیر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اس جھگڑے کے پورے واقعہ کو طلبِ فیصلہ کے لیے بارگاہِ نبوت میں ارسال کر دیا۔ اسوقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اصل مال واپس لوٹا دیا جائے اور گزشتہ تمام معاملہ ختم کر دیا جائے جاہلیت کے لین دین کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے واضح اعلان فرمایا کہ

"سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس ابن عبدالمطلب کا سود لوگوں سے معاف کرتا ہوں۔"

سود کی حرمت کی احادیث کثرت سے صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سود لینے اور سود دینے والے دونوں شخص پر لعنت فرمائی۔ یہی نہیں بلکہ سودی معاملہ میں گواہ بننے والے اور وثیقہ سود کا لکھنے والا شخص بھی آپ کی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کو جنت میں داخل نہ

کرنا اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ شراب پینے والا، سود کا مال کھانے والا، یتیم کا ناحق مال کھانے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا ان چاروں کا جنت میں داخلہ ممنوع ہے۔

مستدرک حاکم کی ہی ایک دوسری روایت ہے کہ جس قوم میں سود کی وبا عام ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر ضروریاتِ زندگی کی گرانی کا تسلط کر دیتا ہے اور جو قوم رشوت کا مال کماتی ہے تو دشمن کا رعب اور غلبہ اس قوم کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں ہم اپنے ماحول اور معاشرہ کی حالتِ زار کا جائزہ لیں اور بغور مشاہدہ کریں تو آپ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حقانیت اور زیادہ نکھر جاتی ہے۔ آج ہمارے کارخانے، فیکٹریاں، بڑی بڑی تجارتی منڈیاں اور کاروباری مراکز اس سود کے لین دین کے سہارے چل رہے ہیں۔ بینکوں میں اکاؤنٹ کھول رکھے ہیں۔ اور ماہ بہ ماہ "ماہنامہ" وصول کر کے اصل رقم سے زائد خوش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بینکوں میں رقوم رکھنے کے متعلق فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ جو رقم بینکوں میں رکھی جاتی ہے اس کی عام طور پر تین صورتیں پیش آئی ہیں۔

اول جو رقم رکھی جاتی ہے اس کا سود لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ تو بلا ریب حرام ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو عام طور پر ہمارے دوستوں اور ساتھیوں میں بھی رواج پا چکی ہے اور بڑے بڑے دیندار اور پارسا لوگ اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ کہ رقم کا بلاسود اکاؤنٹ کھلوایا اور جب چاہا اپنی رقم بنک سے واپس لوٹا لی۔ لیکن اس میں بھی لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔ وہ اس وجہ سے کہ قرآن کریم میں حکم خداوندی ہے تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو لیکن گناہ اور برائی کے کام میں کسی کی امداد نہ کرو۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ لوگ بنکوں سے سود لیتے ہیں اور بنکوں والے آگے امراء سے سود لیتے ہیں۔ تو کیا یہ برائی اور عدوان پر تعاون نہیں۔ یقیناً یہ ظلم واثم کے ساتھ امداد اور نصرت کرنا اور بُرے لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ اس میں بھی معصیت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہر بنک کی کوئی الماری ماہانہ کرایہ پر لے لی جاتی ہے۔ جس طرح زرگر حضرات اپنے لاکرز اور جواہرات وہاں رکھتے ہیں۔ ایسے ہی اپنی رقوم وہاں پر کوئی الماری یا الماری کا ایک خانہ کرایہ پر حاصل کرکے اپنی رقوم محفوظ کر لی جائیں اس طرح نہ سود بنتا ہے، نہ برائی پر تعاون ہوتا ہے اور نہ ہی انسان گنہگار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم سلیم نصیب فرماتے۔

جو لوگ سود کے نشہ میں مبتلا ہیں ان کی حالت گھریلو اور کاروباری دیکھئے۔ ان کی زندگیوں میں سکون اور اطمینان عنقا ہے۔ نہ دن کو چین ہے نہ رات کو۔ ہر آن یہی فکر ہے کہ فلاں کا سود کب اترے گا اور فلاں سے کب مجھے وصول ہو گا۔ اور یہ لوگ مسلمان ہیں۔ خدا اور رسول کی شریعت کی حد توڑ کر بھی مسلمان کو کوئی گزند نہیں پہنچتا، ان لوگوں کے سینوں میں دل نہیں پتھر ہیں۔ یہ شکل انسانی میں بھیڑیئے ہیں۔ جو اپنے ہی بھائیوں کا جونک کی طرح خون چوستے ہیں۔

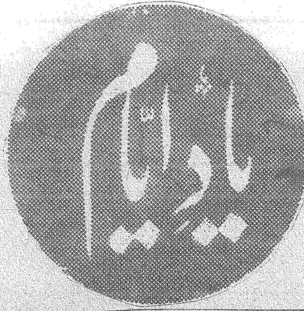
کاش یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو سامنے رکھتے اور اس قباحت اور بدفعل سے نجات پاتے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"سود لینے والے کو ستر درجہ کا گناہ ہوتا ہے اور سب سے کم درجہ گناہ کا یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقی والدہ کے ساتھ زنا کرے۔"

اس سے زیادہ سود کی مخالفت اور سود خوروں کو اور کیا وعید ہو سکتی ہے۔

وہ لوگ اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور فیصلہ کریں کہ کیا اپنی والدہ سے وہ منہ کالا کر سکتے ہیں؟ اگر ان کے دلوں میں ایمان کا چراغ گل نہیں ہوا تو یقیناً ان کا دل اس بات کی نفی کرے گا تو پھر سود کھانے سے کیوں اجتناب نہیں۔

اللہ نفس اور شیطان کے حربوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العلمین۔



حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی جو "ماہنامہ دارالعلوم" دیوبند کے شکریہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔ یہ ہمیں مخلص دوست حضرت مولانا ظفر احمد آف واہگہ نے ارسال کی ہے۔ (ادارہ)

**

چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئی تہذیب و تعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جدِ امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے جو اپنے وقت میں علم و دین کے مجدد تھے۔ اور ان کی زندگی سادگی، توکل پسندی، کم سے کم اسبابِ معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہؒ مرحومہ حضرت نانوتویؒ کے فیضانِ صحبت و رفاقت سے براہِ راست مستفید تھیں۔ دادی صاحبہ اپنی عبادت و ریاضت، سخاوت و کشادہ دلی، شعائرِ دین پر پختگی، نماز، روزہ، ذکر و شغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیرِ سایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریاتِ زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سیکڑوں طلبہ دارالعلوم کے لیے جو ملک اور بیرونِ ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے۔ میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی ضروریات اور ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دُھن تھی۔ بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی۔

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالبِ علم نے دُھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لیے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بعد میں آپ نے جذبۂ ترحم سے اپنی اس سختگیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لیے تھی اتنے متاسّف ہوئے کہ اس طالبِ علم کو بُلا کر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبۂ دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا جو طلبہ میں معروف تھا۔ یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ میری دادی اماں ایک دفعہ امروہہ ضلع مُراد آباد تشریف لے گئیں جہاں میرے دادا صاحبؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی تشریف فرما تھے۔ وہ امروہہ ہی کے باشندہ تھے۔ حضرت مولانا مرحوم دادی اماںؒ کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لے کر گئے

کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والے خود بھی شریک تھے۔ یہ تھا اس دور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب و احترام۔

تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔ حفظ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبدالوحید خان صاحبؒ، فارسی میں مولانا محمد یٰسین صاحب۔ فنون میں ابو الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ اور علوم کتاب و سنت میں علامہ دہر یگانۂ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا رسول خانصاحب ہزارویؒ، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میرے اساتذہ رہے۔ اپنے رفقاء درس میں وقت کے بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں۔ لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گذرا ان میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی حال مفتی اعظم پاکستان، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا میرک شاہ کشمیری، مولانا محمد یوسف واعظ کشمیر، مولانا محمد علیؒ حیدر آباد کا خاص طور سے ذکر ہے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان ، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں۔

اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا۔ اس ذیل میں دو واقعے قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حدیث و تفسیر کے استاذ اعلیٰ تھے۔ مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے۔ طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے ایک دفعہ طلبہ کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دارالعلوم میں سبق پڑھانا موقوف کر دیا۔ طلبہ پر استاذ کی خفگی کا بہت اثر ہوا۔ مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی اور طلبہ نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا کے منانے کے لیے، ان کے سامنے سفارش کے لیے مجھے پیش کیا جاتے۔ درحالیکہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا۔ چنانچہ میں نے مولانا کی خدمت میں جا کر عرض و معروض اور طلبہ کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرما لی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آتے اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت دیکھ دیکھ کر اکثر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کے لیے اساتذہ کی طرف سے مجھے ہی منتخب کیا جاتا تھا۔

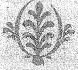
تحریر و تقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی۔ اسے بڑھانے اور ترقی دینے، نیز اس لائن پر سفر کرانے میں یہ اکابر پیش پیش رہتے تھے۔ میری اسی طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریریں کرائیں۔ یہ واقعہ اب سے ساٹھ سال پہلے کا ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں میرے کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کے لیے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ پیر میں جوتا۔ اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آ گیا۔ حضرت علامہ نے مجمع کو خطاب فرماتے ہوتے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا: کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں۔ ہرگز یہ خیال نہ کیجیے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں۔ بلکہ یہ سمجھیے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے۔ یہ حضرت الاستاذ مرحوم کی حوصلہ افزائی تھی۔ ورنہ کہاں ایک معمولی طالب علم اور کہاں لعل و یاقوت؟ یہ اکابر تو مربی تھے ہی حوادث زمانہ بھی ایک مستقل مربی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ماضی کے گمشدہ اوراق الٹتا پلٹتا ہوں تو اس دور کے سینکڑوں واقعات نے بھی میرے لیے عبرت و موعظت اور تربیت کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم کے ختم پر سیدنا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز ان کے ہزاروں معتقدین میں یہ عام شہرت تھی کہ حضرۃ مولانا ہجرت کے ارادہ سے ہندوستان

چھوڑ رہے ہیں۔ ملک میں تمام سراسیمگی پھر حجاز میں حضرت کی گرفتاری، ۳½ سال مالٹا میں نظر بندی۔ ان کی عدم موجودگی میں سارے ہندوستان میں حکومت کے خلاف غیر معمولی غم و غصہ کے جذبات اور ان کی طویل نظر بندی پر دارالعلوم اور اس کے اکابر و اصاغر نیز ملک کے سبھی حلقوں کا احتجاج، ۱۹۲۰ء میں حضرت کی مالٹا سے رہائی، بمبئی میں تشریف آوری، ساحلِ بمبئی پر لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا استقبال استقبال میں گاندھی جی، مولانا شوکت علی کی قیادت اور ساحل پر سب سے پہلے حضرت شیخ الہند سے میرے والدِ محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ساتھ میری ملاقات۔ بمبئی، دہلی اور ہندوستان کے دوسرے بڑے شہروں کے استقبالیہ اور اجتماعات میں حضرت کی شرکت اور تقریریں یہ سب ایک لمبی چوڑی داستان ہے جو حالاتِ زمانہ کو سمجھنے اور طرزِ زندگی سیکھنے میں معاون و مددگار ہوتے اور بنتے رہے اور ماضی کے تجربات مستقبل کے لیے قدم قدم پر مشعلِ راہ ثابت ہوتے گئے مولانا ابوالکلام آزادؒ صاحب، مولانا محمد علی جوہرؒ صاحب، ڈاکٹر انصاری صاحب، حکیم اجمل خاں، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، نیز بیرونِ ملک کے مشاہیرِ علم و ادب اور ناموران سیاست سے بار بار ملاقاتیں خاموش مربی کا کام دیتی رہیں۔ اور ساتھ ہی توفیقِ خداوندی دارالعلوم کے علمی اور دینی نقطۂ نظر کو ان کے سامنے واضح کرنے کا موقع بھی ملتا رہا۔ ۱۹۳۹ء کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ملک کے تعلیمی

مسائل پر لکھنؤ میں ایک کانفرنس طلب کی اس میں احقر کو بھی طویل تقریر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا نے میری گذارشات کی جو تحسین فرمائی اور اپنی تقریر میں جس طرح میری تقریر کے الفاظ کی تائید کی اس سے مجھ کو اندازہ ہوا کہ مولانا آزاد کو اپنے چھوٹوں تک کی بھی راستے کو ماننے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں حکیم الامت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت مرحوم کے ہاں آتے جاتے گذرا۔ مسائلِ دینیہ میں ان کی دقیقہ سنجی، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیحات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم، ان کا وسیع عمیق علم ان کی سینکڑوں تصانیف، ان کی محبت و بابرکت اور حکیمانہ اندازِ تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھاتے۔ حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا۔ آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت و طریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام کم ہی ملے گا جتنا کہ حضرتؒ کے یہاں تھا۔ آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائداد ملی اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے آپنے از سرِ نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائداد میں ہے۔ پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا۔ میں نے

تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور اس ذیل میں دین کے نادار طلبار سے محبت و شفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ میرے آباؤ اجداد نے طلبہ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادی بیاہ کی تقریبات بھی خود ہی انجام دی۔ کتنے ہی مشہور علماء فضلاء ہیں جن کی مجلسِ نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں۔ حضرت قبلہ مولانا سید انور شاہ صاحب کی شادی بھی میرے والد صاحبؒ کے اہتمام سے ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیوبند کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد نے اس تقریب کے شروع میں کہا تھا کہ میرا کی۔ اسی کے ساتھ میرا گھرانہ علماء فضلاء عصر کا مورد تھا۔ دوسرے متعدد علماء فضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیرِ سایہ راحت و آرام سے وقت گذارا۔ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ سے پچاس، پچپن سال کے تعلق میں مجھے ہزاروں نام آور حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر وہ موقعہ مجھے نہیں بھولتا جب عالمِ اسلامی کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری مدیر المنار قاہرہ، دیوبند تشریف لاتے تو ان کے استقبالیہ اجتماع میں استادِ محترم علامہ حضرت انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے فنِ حدیث اور اس کے مدارج حجیت، نیز دوسرے علوم دینیہ کی روشنی میں دارالعلوم کے مسلک کی وضاحت فرمائی تھی۔ تقریر کے دوران

علامہ موصوف کچھ تنقیحی سوالات بھی کرتے جاتے تھے۔ تقریر عربی میں تھی۔ حضرت علامہ صاحب برجستگی سے جوابات بھی ارشاد فرماتے جاتے تھے۔ جس سے شاہ صاحب کی عظمت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ بالآخر انھوں نے رخصت ہوتے ہوتے یہ جملہ فرمایا: "اگر میں ہندوستان میں آکر دیوبند نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین جاتا۔ بطورِ خاص حضرت شاہ صاحب کے متعلق علامہ رشید رضا مصری نے فرمایا "خدا کی قسم میں نے ان جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا"۔ میری بیاشی سالہ زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں براعظموں کے طویل سفروں میں گذرا ہے۔ برما، افغانستان، حجاز، عدن، جرمنی، جنوبی افریقہ، کینیا، روڈیشیا، مڈغاسکر، زنجبار، سری لنکا، ایسٹ افریقہ، حبشہ، رے یونین، کویت، لبنان، اردن، انگلستان، فرانس اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور وہاں مذہبی اور علمی سوسائٹیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ میں جہاں تک حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہزاروں ہزار شکریہ ادا کرتا ہوں اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کہ ان لاکھوں بندوں تک مجھے اسلام، ایمان، انسانیت اور دیوبند کے مسلک کے تحت اخوت و رواداری کا پیغام پہونچانے کی توفیق ہوئی، وہیں اس اعتراف پر بھی مجبور ہوں کہ اپنے اساتذہ اور مربّیوں کی نظیر شاذو نادر ہی کہیں دیکھنے میں آتی۔ جن سے میری علمی اور اخلاقی تربیت کا تعلق رہا ہے۔ میری ماضی کی داستان اتنی لمبی ہے کہ اُسے بیان کرنے کے لیے وقت کا ایک طویل و عریض حصہ بھی ناکافی ہے۔ اسلئے سے سے سوآ خدا کے واسطے کر قصۂ مختصر کے تحت جستہ جستہ منتشر واقعات کے اس اختصار کو اس مجلس یاران دارالعلوم کے لیے کافی سمجھتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔



ضبط و ترتیب : مولوی محمد یوسف خان

****

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب

افاداتِ محمود

تسمیہ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں ؟

قراء مدنیہ، قراء بصرہ، قراء کوفہ، فقہاء مدنیہ اور فقہاءِ کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ جزء من السورۃ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ کا۔ لیکن امام مالکؒ کا قول ہے کہ یہ تسمیہ قرآن میں سے ہی نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب واضح یہ ہے کہ تسمیۃ آیت من القرآن ہے اور یہ نازل کی گئی ہے "الفصل بین السورتین و نزل بالتکریر۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ابو عبداللہ الحاکم کی روایت ہے۔ اور اس کے بعد کہا ہے۔ صحیح علی شرط الشیخین۔ عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایعرف الفصل بین السورتین حتیٰ ینزل علیہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (الحدیث)

یاد رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو سورۃ نمل میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے۔ انہٗ من سلیمان و انہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان لا تعلوا علیّ واتونی مسلمین۔ بلکہ اختلاف اوائل سورۃ کی تسمیہ کا ذکر ہے۔

پیغمبروں کے خطوط طویل نہیں ہوتے تھے

جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختصر خط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جیسے ہرقل وغیرہ کے نام تھا۔

لیکن مرزا قادیانی ملعون نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا تو وہ بشکل کتاب تھا۔

سورتوں کے شروع میں تسمیہ کا منکر کافر نہیں،

کیونکہ سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اور ہر ایک مجتہد حق پر ہے۔

جزء تسمیہ من الفاتحہ میں تفصیل مذاہب

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قراء مدنیہ و بصرہ و کوفہ وغیرہ امام مالک و امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ قرآن ہی میں سے نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ آیت ہے اور بار بار نازل ہوئی۔ دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے یہ جزء من الفاتحہ یا کسی اور سورت کا بھی جزء نہیں ہے اور یہ اختلاف اسی تسمیہ کے بارے میں ہے جو کہ اوائل سورت میں موجود ہے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جو تسمیہ اوائل سورت میں ہے وہ ہر سورت کا جزء ہے۔

سورۃ البراءۃ میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھا گیا

اس کی وجہ بہت سے صحابہؓ سے منقول ہے کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کے مضامین ایک طرح کے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہاں تک کہ

آپ وفات پا گئے۔ لہٰذا اس میں شبہ ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ہیں یا الگ الگ سورتیں ہیں۔ لہٰذا ان کے درمیان تسمیہ نہیں لکھا گیا، اور فاصلہ کے لیے ایک لکیر ڈال دی گئی کیونکہ یہ امر مشتبہ تھا۔

امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ کی دلیل

دلیل اول: امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر فلم یجہر احدٌ منہم ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتا تو اس کا حکم بھی فاتحہ کی طرح ہوتا۔ لیکن یہ بات عجیب ہے کہ فاتحہ جہراً پڑھی لیکن تسمیہ نہ پڑھی۔

دلیل ثانی: گذشتہ صفحات میں ایک روایت بیان کی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں فاتحہ کے بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کا ذکر تھا۔ تو وہاں بھی تسمیہ کا ذکر نہ تھا اگر تسمیہ فاتحہ کا جزو ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا کہ اس کی تقسیم کس طرح ہے۔

دلیل ثالث: امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، عن عبد اللہ بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوٰۃ اقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العٰلمین (یعنی بسم اللہ کو جہراً پڑھا) فقال ابی یا بنیّ ایاک والحدث

لہٰذا اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتی تو اس کو بدعت نہ کہتے۔

اس روایت کو ترمذی نے جامع میں بھی نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں عبد اللہ بن مغفل کا اپنے باپ کے بارے میں یہ قول نقل فرمایا: ولم ارَ رجلاً ابغض الیہ الحدث منہ۔

یاد رہے کہ قائلین عدم الجزء میں ایک صحابہ کی جماعت ہے جس میں خلفائے راشدین (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) عبد اللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر وغیرہ شامل ہیں۔

تشریح سورۃ الفاتحہ

الحمد للہ رب العٰلمین۔

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین یہ کلام اللہ ہے لیکن یہ جاری ہے بندوں کی زبانوں پر، لہٰذا یہاں قولوا مقدر ہے یعنی تم کہو الحمد للہ رب العالمین۔

ایسی آیات جو کہ اللہ کا مقولہ بن سکتی ہیں ان کو مقولۂ عباد بنانا ضروری نہیں ہے کبھی اللہ تعالٰے اپنی حمد خود بھی کرتے ہیں۔

لیکن مفسرین نے ان آیات کو بھی مقولہ عباد قرار دیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد کی آیات یقیناً متعلق بالعباد ہیں تو پہلی آیات بھی متعلق بالعباد ہیں۔

حمد

حمد کا معنی ہے تعریف کرنا زبان کے ساتھ کسی کے ایسے وصف جمیل پر جو اس کے اختیار میں ہو (لیکن اگر وہ وصف جمیل اختیاری نہیں ہے تو اس پر حمد بھی نہیں ہے) اور تعریف تعظیم کے طریقہ پر، بطور طنز نہیں۔

لہٰذا یہاں مدح نہیں کہا کیوں کہ مدح اللہ کی نہیں ہوتی۔ بوجہ تمام اوصاف کمال اختیاریہ کے۔

یاد رہے کہ اللہ کی صفات میں فلسفہ سے جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فلسفہ کا اسلام سے تعلق اس قسم کا نہیں ہے۔ لیکن عام لوگ اس وجہ سے بدظن ہو گئے کہ فلسفہ کو عربی میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ عربی میں فلسفہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی اسلام کا جزء ہے۔ چنانچہ انہوں نے تقابل شروع کر دیا اور حرکت فلک گردش کواکب اور "ستاروں کا مرکوز ہونا آسمان میں" ایسی بحثیں شروع کر دیں اور خرق والتئام میں الجھ گئے۔

اور پھر جب سائنسدان چاند پر چلے گئے تو کہنے لگے اسلام پر ضرب لگ گئی اور پھر وہاں سے پتھر اور دیگر اشیاء لے کر آئے تو اور زیادہ فکرمند ہو گئے اور جب مریخ پر گئے تو جملہ مشینوں کے ساتھ کیسے نکل گئے۔ حتیٰ کہ تنگ آ کر کہا کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔

حالانکہ اسلام پر ضرب نہیں لگی بلکہ بطلیموس کی غلاظتیں ختم ہو گئیں۔

چاند پر جانے سے

معراج بھی تسلیم ہو گئی

اب ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے اس کے منکرین چودہ سو سال سے موجود تھے لیکن آج اس کارنامہ کی وجہ سے ہم جیت گئے۔ ہم نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں لیکن آج تک ایک طبقہ انکار کر رہا تھا تو وہ بھی آج شرمندہ ہیں۔

چاند پر جانے سے

اسلام پر نہیں

یونانی حکمت پر ضرب لگی ہے

آج ہم جیت گئے، اسلام جیت گیا تو ہمیں خوشی ہونی چاہیے تھی نہ کہ الٹا ہم یہ کہیں کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔ یہاں شکست اسلام کی نہیں اس یونانی حکمت کی ہے جس یونانی حکمت کو ایک طبقہ اسلام سمجھ بیٹھا تھا۔

رب العالمین

جیسا کہ پہلے ذکر کیا تھا کہ اللہ اسم ذات ہے۔ اب یہاں سے اس کے اوصاف اربعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ رب العالمین (۲) الرحمٰن (۳) الرحیم (۴) مالک یوم الدین۔

تحقیق لفظ رب

لفظ رب اگر مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے مضاف کر دیا جائے کسی اور اسم کی طرف تو اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ کما قال رب الدار اور مضاربۃ کے باب میں ربّ المال کہا جاتا ہے چنانچہ سورۂ یوسف میں فرمایا: فارجع الی ربّک۔ الآیہ

تحقیق لفظ عالَم

العالم ما سوی اللہ تعالیٰ من الموجودات۔ چونکہ عَلَم ہے علیٰ وجود الصانع کہ مصنوع کے وجود سے صانع پر دلالت ہوتی ہے۔ ای "عَلَم" علیٰ صانعہ و خالقہ۔

عالَم ایسا لفظ ہے کہ جمیع ماسویٰ اللہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اس کا ایک اطلاق خاص ہے اور ایک عام ہے۔ عام سے مراد یعنی موجودات کی ایک نوع پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ عالم الجن، عالم الانس، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم جواہر، عالم النباتات، عالم ارواح عالم جمادات۔

العالمین جمع کا صیغہ کیوں لائے؟

چونکہ یہاں عالم سے مراد اصناف عالم ہیں لہٰذا عالمین جمع کا صیغہ لائے۔

یاء، نون اور واؤ، نون

کی جمع میں معنوی فرق

جمع بالواؤ والنون یہ مختص ہے بالعقلاء لہٰذا عقلاء کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی اور جمع بالیاء والنون یہ غیر عقلاء کے لیے ہے اب دیکھئے عالَم کی اکثریت غیر عقلاءٗ کی تھی کہ صرف تین ذوی العقول ہیں یعنی عالم الملائکہ و عالم الانس و عالم الجن۔ لہٰذا یہاں یاء اور نون کی جمع لائے ہیں۔

تحقیق ربوبیت

ربوبیت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ربوبیت عامہ (۲) ربوبیت خاصہ

ربوبیت خاصہ

جب ربوبیت والدین لاولادہ کہ والدہ کی تربیت کا تعلق ذاتی و جسمانی ہے اور باپ کی تربیت کا تعلق روحانیت سے ہوتا ہے لیکن یہ مختص ہے بالاولاد۔ یا باغبان کی ربوبیت درختوں اور پودوں کے لیے مختص ہے یا چرواہے کی ربوبیت صرف جانوروں کے لیے مختص ہے۔

ربوبیت عامہ

ربوبیت عامہ وہ ہے جس کا تعلق عامۃ الموجودات کے ساتھ ہو اور دائمی ہو۔ چنانچہ اللہ کی ربوبیت عامہ ہے اور علی الدوام ہے۔

کیا شمس و قمر کی ربوبیت عام نہیں؟

یہ بات صحیح ہے کہ شمس و قمر کی ربوبیت عامہ ہے کہ شمس اپنی حرارت سے سارے عالم کی تربیت کر رہا ہے۔ اگر شمس کی حرارت اور یبوست نہ مل سکتی تو انسان و نباتات

جمادات نشو و نما نہ پا سکتے۔ اور قمر بھی تربیت کر رہا ہے اگر اس میں برودت اور رطوبت نہ ہوتی تو بھی اس عالم کی نشو و نما ممکن نہ تھی۔ لہٰذا بظاہر آفتاب و ماہتاب کی ربوبیت عامہ ہے لیکن اگر بنظرِ عمیق اور فکر و تحقیق سے دیکھا جائے تو یہ ربوبیت عامہ نہیں بلکہ خاصہ ہے کیونکہ تربیت عامہ میں شرط ہے کہ وہ علی الدوام ہو۔ اور کواکب و شمس و قمر جب غروب ہو جاتے ہیں تو ان کی ربوبیت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر حجت قائم کرنا چاہی تو فرمایا۔ فلما رأ القمر بازغاً قال ھذا ربی۔ لیکن جب غروب ہوا تو اس کی ربوبیت سے انکار کر دیا۔ اسی طرح فلما رأی الشمس بازغۃ قال ھذا ربی۔ لیکن جب غروب ہوا تو پھر انکار کر دیا۔ تو ان سب چیزوں کو مسترد کرنے کی وجہ یہی غروب اور ربوبیت بغیر الدوام ہے۔

ربوبیت سبب ہے معبودیت کا

جب اللہ ہی رب ہے تو ربوبیت ہی سبب معبودیت ہے۔ لہٰذا اب اللہ کی عبادت کا ذکر فرمایا کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔

ایاک نعبد

تحقیق عبادت

عبادت کے معنی ہیں نہایت تعظیم کرنا۔ لہٰذا انتہائی تعظیم اسی کی ہونی چاہیے۔ جس کے احسان بھی ہم پر انتہائی ہوں اور وہ اللہ ہی ہے۔

ورنہ تو ہر محسن کی تعظیم ہوتی ہے۔ لیکن اگر محسن کا درجہ کم ہے تو تعظیم بھی کم ہوگی اور تعظیم کی کمی عبادت نہیں ہے۔

افضل عبادت سجدہ ہے

انسان کے بدن میں اشرف الاعضاء پیشانی ہے اور انتہائی پستی زمین سے زیادہ کسی میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو محسن کے سامنے ذلت کی انتہا تک پہنچا دینا یہی انتہائی تعظیم اور عبادت ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے کیونکہ انتہائی عبادت انتہائی محسن کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں۔

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام تھا
تو آدم کو کیوں سجدہ کرایا گیا

قیام مطلقاً عبادت نہیں لہٰذا اس میں نیت ضروری ہے البتہ سجدہ مطلقاً عبادت ہے لہٰذا اس میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ باقی آدم کو جو سجدہ کرایا گیا وہ بحیثیت کعبہ تھا ورنہ اصل سجدہ خدا کو تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے
شمس و قمر کو ھذا ربی کیوں کہا؟

بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ھذا ربی جو کہا تھا وہ بمعنی اھذا ربی تھا (یعنی کیا یہ رب ہے) لیکن اگر یہ تاویل نہ کریں تو اچھا ہے بلکہ یہ کہیں کہ یہ بھی ایک طریقہ تعلیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ میں بیان فرمایا ہے۔ اور وہ طریقہ یہ تھا کہ جب دیکھا کہ تمام قوم یہاں موجود ہے تو آئندہ کے لیے دلیل بنا کر تعلیم دیتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا۔ سورج کو دیکھ کر۔ ھذا ربی۔ لیکن وہ سورج غروب ہو گیا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ خدا نہیں۔ پھر چاند کو دیکھ کر کہا کہ ھذا ربی۔ پھر وہ بھی غائب ہو گیا تو لوگوں کی عقل میں بات بیٹھ گئی کہ ایسی چیزیں خدا نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اب موقع تھا کہ قوم کے ذہن کو بدل دیا جائے لہٰذا فرمایا۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض (الآیہ) لہٰذا یہ ایک طریقہ تھا تعلیم دینے کا۔ اور باقی لفظ ھذا ربی جو کہا ہے وہ صرف تعلیم دینے کے لیے کہا تھا لہٰذا یہاں ہمزۂ استفہامیہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قادیانیت

سید محمد ازہر شاہ قیصر
دیوبند

ہندوستان میں فرقۂ قادیانیت گذشتہ کئی برس سے سرگرمِ عمل ہے اس فتنہ کے اشتعال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کے حلقوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو مسلمانوں کی ملّی تنظیم اور قومی مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے ایک ایسی تنظیم کی سرپرستی پر آمادہ ہیں جو صورتاً مسلمان اور سیرتاً غیر مسلم ہوں۔ قادیانی ہمیشہ سے اغیار کے آلۂ کار بن کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچاتے رہے ہیں اور ان کی زندگی کا سارا سروسامان ایسے ہی ناپاک مقاصد کے لئے دشمنانِ اسلام کے خزانوں سے فراہم ہوا ہے۔ ایمرجنسی سے پہلے یہاں انھوں نے تردید قادیانیت کی کچھ جدوجہد کی تھی مگر ایمرجنسی نے یہاں کی زبانیں بند کر دیں اور قادیانیوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ دیا۔ قادیانیوں نے جابجا اپنے دفاتر قائم کر لئے ہیں تحریری اور تقریری طور پر تبلیغ کا سلسلہ قائم ہے اور بڑی بدقسمتی ہے کہ قادیانیت یہاں عوام کو متاثر کر رہی ہے۔ اقوم نے اس شدید ضرورت کو محسوس کی کہ تردید قادیانیت کے محاذ پر جم کر کام کیا جائے چنانچہ ہم نے کتابوں کا ایک سیٹ تیار کیا ہے جس میں کچھ جدید کتابیں بھی ہیں اور قدیم بھی۔ یہ سیٹ عوام و خواص کے حلقوں میں تردید قادیانیت کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے ساتھ ہی ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس سلسلے میں ایک پریس قائم کیا جائے جس سے طباعت و اشاعت کے کاموں میں سہولت و کفایت متوقع ہے۔ اس سارے نقشۂ عمل کو پورا کرنے کے لئے ہمیں احباب کی اتنی مدد کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے ان رشتہ داروں اور دوستوں کو جو دبئی، ابوظبی، کویت، عمان، سعودی عرب، امریکہ، لندن میں مقیم ہیں خطوط کے ذریعہ اس اہم خدمت میں مالی تعاون کرنے کی سفارش کریں اور ان سب حضرات کے پتے مکمل پتہ کرم فرماویں ساتھ ہی اتنی تکلیف اور کریں کہ جن حضرات کو خطوط لکھے جائیں ان کے پتے مجھے بھی کرم فرمائیے یہ کام بواسطہ در بواسطہ ہوگا اور اس میں قدرتی طور پر تاخیر ہوگی مگر میرا ذہن یہ ہے کہ ہمیں تاخیر سے گھبرانا نہیں چاہیئے تردید قادیانیت کا کام اگرچہ تاخیر سے ہو مگر نہ ہونے کے مقابلہ میں یہ بہرحال غنیمت ہوگا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف دو فتنوں کو اسلام کے لئے خطر سمجھا ہے ایک قادیانیت اور ایک صیہونیت، اور یہ دونوں اسلئے اسلام کے لئے شدید طور پر خطر ہیں کہ دونوں مذہب ساز ہیں اور دونوں اسلام کی بنیادوں پر تیشہ زنی کرتے ہیں۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر
شاہ منزل محلہ خانقاہ دیوبند (بھارت)

حدیث اختلاف امت

دراصل اختلاف امت کا سب سے پہلے ظہور عہد صحابہؓ میں ہوا ہے صحابہؓ کرام کے دور میں جتنا بھی مسائل دین اور فروعی اجتہادی احکام شرعیہ میں اختلاف ہوا ہے وہ سب دین کے دائرے کے اندر ہوا ہے یہ ممکن نہیں کہ صحابہ میں سنت نبویہ کے خلاف کوئی جدید بدعت راستہ نکالے اگر کوئی اختلاف بھی پیش آئے گا تو غور کرنے کے بعد ہر ہر بات کی سند یا کسی حدیث قولی یا فعلی سے مل جائے گی یا قرآن کریم سے صاف وصریح استنباط ہوگا۔ اس کا کوئی امکان نہیں کہ بلا سند وحجت اپنی خواہش پر کوئی بات کہے یا اس پر اصرار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا دینی منصب بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرات شیخین یعنی سیدنا ابی بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا دینی منصب متعین فرمایا ارشاد ہے۔

میرے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرو۔ (ترمذی)

اللہ نے عمرؓ کی بات میں حق رکھا ہے (ترمذی وابو داؤد)

پھر خلفاء راشدین کے مرتبہ کا تعین فرمایا۔

تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو اس کو دانتوں سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو۔

پھر عام صحابہؓ کے بارے میں ارشاد ہے۔

میرے صحابہؓ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابہؓ چلے جائیں گے تو میری امت پر پھر وہ حالات آئیں گے جن سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے۔

بلکہ تابعین کے دور کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے حدیث۔ خیر القرون قرنی میں۔

بہر حال اس قسم کی روایات کا ایک وسیع باب ہے جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سنت نبویہ کے بعد صحابہؓ کرام کا درجہ ہے۔ اگر سنت نبویہ میں دین کی کوئی بات نہ ملے تو تعلیم صحابہؓ میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اگر بلا اختلاف عہد صحابہؓ میں کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو پھر کسی کو اس کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا اور اگر ان میں اختلاف پایا گیا تو ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔ جدید اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ اس کی اجازت، اس کا کوئی امکان نہیں کہ صحابہ بدعت یا احداث فی الدین اختیار کریں۔ اس لئے کہ ان کے دینی منصب کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی پیروی کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اب اگر قرآن وحدیث میں کسی امر کا کوئی فیصلہ نہ ملے تو اسے صحابہ کے اقوال اور ان کی سنت میں تلاش کرنا چاہیئے، جو شخص ان کی سنت ہوتے ہوئے جدید اجتہاد کرے گا یا اس سے انکار کرے گا وہ مبتدع ہوگا بلکہ ان احادیث کا مخالف ومنکر ہو جائے گا جو آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے حق میں ارشاد فرمائی ہیں۔ حضرات صحابہؓ سے بھی اس سلسلہ میں متعدد تصریحات ملتی ہیں۔

۱۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔

یعنی جو عبادت صحابہؓ نے نہیں کی تو تم بھی وہ عبادت مت کرو۔۔۔۔ اور سلف کا طریقہ اختیار کرو۔

۲۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

جو کوئی تم میں سے کسی کی اقتدا کرنی چاہے تو اس کی اقتدا کرے جس کا انتقال ہو چکا ہے، کیونکہ زندہ آدمی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ یا فرمایا۔

ہمارے آثار واقوال کا اتباع کرو، اپنی طرف سے نئی باتیں مت نکالو، وغیرہ وغیرہ۔

صحابہؓ وتابعین کے اتنے کثرت سے آثار واقوال اس سلسلہ میں ملتے ہیں کہ جمع کرنے سے ایک دفتر تیار ہو جائے گا اور جب کہ قرآن کریم میں صحابہؓ کے فضائل ومناقب اتنی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں تو پھر ان کے ہوتے

ہوئے ان کے اس دینی منصب کو سمجھنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ غالباً اس وقت یہ چند اشارے کافی ہوں گے۔

بہر حال حدیث "افتراقِ امت"، جس کے متعلق گذشتہ "بینات" کے شمارے میں تفصیل آچکی ہے اس کا تعلق اس افتراق و شقاق سے ہے جو اصول دین میں ہے۔ اور انتہائی مذموم ہے۔ نصوص قرآن و حدیث میں اس کی مذمت و قباحت بیان کی گئی ہے۔ امت اسلامیہ اور امت اجابت میں جو فرقے اصولی پیدا ہوئے جن کو اہلِ ہوا اور اہلِ بدع کہا جاتا ہے ان میں خوارج و قدریہ، رافضہ، مرجیہ، جہمیہ، کرامیہ، حشویہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کا تعلق حدیث افتراقِ امت سے ہے۔ جس کے لئے معیار اتباع سنت وما انا علیہ واصحابی کا جادۂ مستقیمہ بتلایا گیا اور جو اس معیار پر صحیح نہ اترے وہ اس دائرے سے خارج ہوں گے اور حدیث "اختلافِ امت"، کا دائرہ فروعی اجتہادی مسائل تک منحصر ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین، توقیر صحابہ، اجماع امت و اجتہاد و استنباط کے اصولی طرق میں سب اہلِ سنت متفق ہیں، ان کے جزوی اختلافات کو قابل گرفت نہیں سمجھا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اس قسم کے اختلافات کو افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ اس اختلاف کو تکوینی مصالح و اسرار اور فطری اختلاف سمجھ کر اس کو سراسر حکمت و مصلحت سمجھا جائے۔ اس دائرے میں تحزب و تشیع کو برسر کار نہ لایا جائے اور قلوب کے نفاق و شقاق کا ذریعہ بننے نہ دیا جائے دونوں حدیثوں کے مضمون جدا جدا ہیں۔ ان کو ایک ہی مصداق پر حمل کرنا یہ سراسر غلط مبحث ہے اگر قرون متاخرہ میں چند افراد نے تصلب مذہبی میں غلو کر کے تعصب و فرقہ بندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں شقاق و نفاق کا راستہ کھول دیا تو یہ اتباع مذاہب کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ ان کا جرم ہے کہ ایک صحیح و مفید چیز سے ناجائز و غلط فائدہ اٹھایا گیا۔ کچھ ظاہر بین اور عواقب ناشناس حضرات نے غلو کر کے اتباع کے اس غلط طریقہ عمل سے متاثر ہو کر اصل اختلاف فکری کو غیر اسلامی نظریہ قرار دے دیا اور حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ کی گروہ بندیوں کو بیچ میں لاکر انہیں قدریہ و جہمیہ بلکہ کفار مشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حالانکہ صاف بات ہے کہ جن مسائل و احکام میں کوئی قرآنی و حدیثی فیصلہ موجود نہ ہو اور صحابہؓ کے دور میں ان کا فیصلہ نہ ہو سکا ہو تو چونکہ انسانی دماغ کے مراتب مختلف ہیں اور ہر دماغ کا زاویہ نگاہ فطری طور پر ضروری نہیں ہے کہ دوسرے سے متفق ہو جائے ہر صاحب فکر و صاحب اجتہاد اس کا مکلف ہے۔ کہ شارع علیہ السلام کے منشاء کو سمجھنے کی کوشش کرے اور وحی الٰہی کے اصل سرچشمہ سے سیراب ہو، اس لئے اختلاف تو ناگزیر تھا لہٰذا شریعت نے اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا اور پابندی لگائی اور فطری ضرورتوں کی تکمیل میں توسع سے کام لیا اور اس کو رحمت کہا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اصولی دائرہ سے باہر نہ جائے اور نیت بخیر ہو، اور علم و تقوی و بحث و تحقیق کی اہلیت موجود ہو، یہ موضوع زیادہ وضاحت و تشریح کا محتاج ہے اس وقت حدیث "اختلافِ امتی رحمۃ"، کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالی، حق تعالے حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تکمیلِ ایمان

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مومن کے لیے ہر حال میں تین چیزیں انتہائی ضروری ہیں:

۱۔ احکاماتِ شرعیہ کی تکمیل کرتا رہے۔
۲۔ شریعت کے ممنوعہ افعال سے مکمل احتراز و اجتناب کرے۔
۳۔ تقدیر پر شاکر و قانع رہے۔ (فتوح الغیب)

عمل کی باتیں

۱۔ دنیا سے محبت نہ رکھو یہ مسلمانوں کا گھر نہیں۔
۲۔ شیطان کو دوست نہ بناؤ یہ مسلمانوں کا رفیق نہیں۔
۳۔ کسی کو تکلیف نہ دو یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

مرسلہ رستم علی ناصر، ۳۰، ۳۰، الفلاح لاہور

مکاتیب

حضرۃ العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بنام: مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

از بندہ شبیر احمد عثمانی

بمطالعہ برادر عزیز مولوی محمد یوسف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا خط پہنچا، میں دو ماہ سے علیل تھا، اب بحمد اللہ صحت ہے۔ آپ اپنی اور حضرت شاہ صاحب کی خیریت وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہیے، بہت خوش قسمتی ہے کہ آپ کو حضرت شاہ صاحب کی ملازمت (خدمت میں ساتھ رہنے) کا شرف حاصل ہے، استفادے کے لئے اس موقع کو مغتنم (غنیمت سمجھو) ہم تو بُعد (دوری) کی وجہ سے محروم ہیں، حق تعالیٰ پھر قرب صحبت نصیب کرے، یہاں بارش شروع ہو گئی مدرسے کے احوال ٹھیک ہیں، سب لوگ اپنے کام میں مشغول ہیں۔ [1]

از ڈابھیل ۲ محرم ۱۳۴۸ء (۱۹۲۹ء)



از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد از سلام مسنون، آنکہ مدت کے بعد تمہارا خط ملا، میرے دانتوں میں عرصہ سے تکلیف رہتی تھی، بہت سے نکلوا دیے، کچھ باقی ہیں، دعا فرماتے رہیے، تصنیف کے سلسلہ میں اکثر اوقات گذرتے ہیں، حق تعالیٰ تکمیل کرائے، اور دارین میں مقبول بنائے۔

فوائد[2] قرآن کریم انشاء جلدی شائع ہو جائیں گے، آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں، حق تعالےٰ سکون و طمانیت قلب اور ظاہری و باطنی غنا نصیب کرے اور علمی خدمات انجام پائیں، یہ سن کر بہت مسرت ہوئی کہ والد صاحب مدظلہم کو اس معاملہ میں کامیابی کی توقع ہے حضرت شاہ صاحب[3] ہنوز تشریف نہیں لائے علالت ونقاہت کے سبب سے رکے ہوئے ہیں خدا جانے کب تک آسکیں گے، مجھے بھی درس و تصنیف دونوں کا جمع کرنا دشوار ہے شاید درس کو ملتوی کرنا پڑے، عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ خیریت سے ہیں، سلام مسنون کہتے ہیں عزیزم مولوی عتیق[4] الرحمٰن سلمہ خیریت سے ہیں، سلام مسنون کہتے ہیں، عزیزم مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ دیوبند میں ہیں اور سب حضرات خیر و عافیت سے ہیں، تمہارے مشاغل علمیہ کی خبر سن کر محظوظ ہوا، حق تعالیٰ ترقی اور برکت عطا فرمائے مجلس علمی کے متعلق مولوی سید احمد رضا صاحب[5] منیجر مجلس سے خط و کتابت کر لیجئے۔

از ڈابھیل ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء



از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت[6] برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا خط راستہ سے آیا تھا پھر کل مولانا محمد یوسف صاحب کے نام پر آیا اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کو ایک افضل ترین نعمت سے بہرہ اندوز فرمایا، امید ہے ہمارا عریضہ پہنچنے تک آپ مدینہ طیبہ کی پاک و صاف ہوا میں آپ کی برکات اور فیوض سے متمتع ہو رہے ہونگے مگر

---

[1] حضرت امام العصر کاشمیری قدس سرہ اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ مولانا بنوری مرحوم ہمراہ تھے، غالباً آپ کی تعلیم کا آخری دور تھا اسی زمانہ کا یہ خط ہے۔ (مرتب)

[2]: فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند قدس سرہ

[3]: مراد حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ علیہ الرحمۃ

[4]: علامہ عثمانی کے بھتیجے ثانی الذکر معروف ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کے کرتا دھرتا ہیں۔

[5]: حضرت امام العصر کاشمیری کے داماد، صاحب علم و فضل، بجنور کے رہنے والے انوار الباری کے نام سے امام العصر کاشمیری کے حدیثی فوائد پر مبسوط کام کر رہے ہیں ۱۳ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

[6]: مولانا بنوری مرحوم سفر حج کے لئے گئے قیام مدینہ منورہ کے دوران علامہ مرحوم نے آپ کو یہ خط لکھا، انہیں عاجزی و انکساری سے جو کچھ لکھا وہ قابل تقلید ہے۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

اس سیاہ رو گناہ گار کو بھی برائے خدا یاد رکھنا۔ مولانا سراج احمد[2] صاحب مرحوم جا چکے خدا جانے اپنا نمبر کب آجائے۔ بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ اگر کوئی حق تھوڑا بہت اپنی سعادت سے سمجھو تو ایک مرتبہ پورے تضرع کے ساتھ اس بارگاہِ عالی میں حاضر ہو کر اتحاف صلوٰۃ و سلام کے بعد میرے لئے دعا کر دینا۔ اللہ خاتمہ ایمان پر اور اپنی خوشنودی پر کر دے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچائے، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سوا ذریعہ نہیں کوئی بضاعت نہیں تم پر حق ہے اس لئے بالحاح عرض کرتا ہوں رفقاء کو اور حضرت مولانا سید احمد[3] صاحب کو سلام مسنون

از ڈابھیل ضلع سورت ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء

---

[2] مرحوم میرٹھ کے رہنے والے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے اونچے درجہ کے استاد تھے جو بعد میں امام العصر کاشمیری کی رفاقت میں ڈابھیل تشریف لے گئے۔

[3] : شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بھائی جنہوں نے مدرسۃ العلوم الشرعیہ بنا کر حرم مدنی میں دارالعلوم دیوبند کا فیضان جاری کیا۔

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت گرامی کرم فرمائے محترم برادر مکرم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا خط مدینہ طیبہ زادہا اللہ تشریفاً و تکریماً سے بندہ کے نام آیا تھا جس طرح آپ نے وہاں احقر کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھا اور اس بارگاہ رفیع تک معروضہ پہنچایا، میرے پاس الفاظ نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ بجز دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں حق تعالیٰ شانہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ دونوں صاحبوں[1] کو اس نے اپنے فضل و کرم سے حرمین شریفین کی برکت سے متمتع فرمایا اور معتد بہ قیام نصیب کیا اب آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ احسن احوال میں ملاقات کرا دے۔ مصر میں امید ہے کہ علمائے ازہر اور دیگر اہل علم و فضل سے ملاقاتوں کی نوبت آرہی ہوگی، اگر یاد رہے تو شیخ ابراہیم[2] جبالی، شیخ عدوی اور شیخ عبدالوہاب بخار کی خدمت میں بندہ کی طرف سے سلام مسنون پہنچا دیں۔ قاضی عبدالصمد[3] شیو اروی ابن قاضی ظہور الحسن صاحب وہاں گئے ہوئے ہیں ان کو بھی سلام کہہ دیجئے اور میری طرف سے شیخ ابراہیم جبالی کی خدمت میں قاضی عبدالصمد کی طرف سے خصوصی توجہ و مراعات مبذول فرمانے کی درخواست کر دیں۔ فتح الملہم[4] آپ کے ہمراہ نہ جا سکی اگر کہو تو اس کے کچھ نسخے مع اشتہارات آپ کے پاس روانہ کر دیے جائیں۔ بہرحال تعارف مقصود ہے حسب ذیل کتب کے متعلق معلوم کریں کہ یہ کتابیں مکمل کسی کتب خانہ میں موجود ہیں کیا ان کی نقول مہیا ہو سکتی ہیں اور نقل لی جائے تو تخمیناً کتنا خرچ ہوگا۔

۱۔ الفصول فی الاصول للشیخ ابی بکر الرازی الجصاص ؒ

۲۔ الشامل . . . . . فی الاصول۔ غالباً دس جلدوں میں ہے

۳۔ تاویلات القرآن للامام ابی المنصور الماتریدی رحمہم اللہ تعالیٰ

مطبوعہ کتب کی جس قدر فہرستیں وہاں سے مل سکیں سب بھیج دیجئے اور اپنے احوال سے مطلع فرماتے رہیے، برادر مکرم مولانا مولوی سید احمد رضا خان صاحب کو سلام مسنون پہنچے فتح الملہم تیسری جلد کی طباعت آج کل شروع ہونے والی ہے۔ مصر کے مشائخ میں سے ایک بزرگ شیخ ابوالعزائم صاحب تصانیف تھے جو ۱۳۴۴ھ کی موتمر اسلامی میں شریک تھے خدا جانے زندہ ہیں یا نہیں اگر ہوں اور ملاقات کی نوبت آئے تو میری طرف سے سلام مسنون پہنچا دیں یہ کہہ کر کہ سندھ دین جمعیت علمائے ہند میں سے ایک شخص جس کا نام یہ ہے اور جس پر وہاں آپ کی نظر محبت و عنایت تھی سلام کہتا ہے

از ڈابھیل ضلع سورت ۲۲ صفر ۱۳۵۷ھ

---

[1] : مولانا بنوری مرحوم اور مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہم

[2] : موصوف مصر کے اہل علم کے ایک وفد کے ساتھ دیوبند تشریف لائے تھے۔

[3] : مشہور مصنف و مترجم بجنور کے رہنے والے، آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔

[4] : مسلم شریف کی لاجواب شرح جو علامہ عثمانی کا شاہکار ہے، افسوس کہ پوری نہ ہو سکی۔



از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت برادر محترم[1] دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ محبت نامہ پہنچا مسرور کیا۔ مع الخیر مراجعت وطن پر مبارکباد دیتا ہوں، مدت سے ملاقات کا شوق ہے۔ خیر یوسف مصر سے ہندوستان آیا تو گجرات بھی انشاء اللہ پہنچ جائے گا، ہم کو آپ کی باتیں سننے کا اتنا ہی شوق ہے جتنا آپ کو سنانے کا مگر خدا جانے کب تک ہمارا نمبر آئے۔ دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس جز و اہم کے حل کی کوئی صورت پیدا فرما دیں تاکہ آپ کو اطمینان نصیب ہو۔ ظاہر ہے کہ مجلس علمی کو جو مادی کامیابی نصیب ہوئی اس میں بڑا دخل میں آپ کا سمجھتا ہوں۔ بہرحال بہت خوشی ہوئی۔ آخر کوئی تخمینی میعاد تو کہہ دو کب تک یہاں آنے کا قصد ہے؟ سنا ہے مولوی محمد نافع[2] صاحب تو مل آئے، ہاں یہ تو بتائیے وہ کتابیں مصر میں کس کے حوالے کر آئے مجھ کو آج تک کسی خط کی بھی رسید نہیں دیتے۔ آخر کب تک یہاں پہنچیں گی۔ از ڈابھیل ضلع سورت

۲۹ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء

---

[1] : حرمین و مصر کے سفر سے واپسی پر قیام پشاور کے زمانہ میں یہ خط آیا۔

[2] : دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر مدرس مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کے بھائی مولانا بنوری کے انتہائی قریبی ساتھی انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

بیت الفضل دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی)

بسطالعہ مکرمی جناب مولانا محمد یوسف صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا الطاف نامہ پہنچا۔ مجھے فرصت کم ہوتی ہے۔ بلا ترتیب کیفما اتفق خطوط کے جوابات لکھ دیتا ہوں، اس کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ مجھے جو کچھ قلبی تعلق آپ کے ساتھ ہے وہ خود آپ کو معلوم ہے، مجھے بہت سی علمی توقعات آپ کی ذات سے ہیں[1]۔ میرے قیام ڈابھیل کی وہ سابق نوعیت تو اب نہیں رہ سکتی البتہ اگر جناب مہتمم صاحب اور احباب کے مشورے اور اہل حل و عقد کی مرضی سے کوئی اور صورت تجویز ہو تو غور کر سکتا ہوں۔ صحیح بخاری کے درس کی نسبت بھی ان لوگوں کے استفسار پر کچھ عرض کر سکوں گا۔ جو حالات آپ نے لکھے ہیں پیش نظر ہیں بلکہ بہت پہلے سے پیش نظر ہیں اپنے نزدیک سوچ سمجھ کر کوئی مفید مشورہ دیا جائے گا۔

سنن ابی داؤد کے درس سے میری تمنا پوری ہوئی میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجہ کا کوئی سبق آپ کے ہاں ہو۔ الحمد للہ آپ کا درس مقبول ہے۔ اللھم زد فزد سب احباب اور بزرگوں کی خدمت میں سلام مسنون۔ مولانا عزیز احمد[2] صاحب وغیرہ کو سلام مسنون۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء

---

۱ مرحوم نے اپنے اساتذہ کی توقعات کو خوب پورا کیا، رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

۲ حضرت مولانا عزیز گل اسیر مالٹا دامت برکاتہم۔ یاد رہے کہ یہ مکتوب گرامی بھی قیام پشاور کے زمانہ میں آیا۔



برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا، احوال سے اطلاع ہوئی، حق تعالیٰ اپنے احباب کے لئے کوئی صورت پیدا کر دے کہ علمی ترقیات بھی جاری رہیں اور معاشی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ اگر مجلس علمی ڈابھیل سے یہاں منتقل ہو گئی تو میری امکانی خدمات اس کیلئے بہر حال حاضر ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ کے لئے کوئی نہ کوئی اچھی صورت میسر ہو جائیگی جس میں آپ پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا لیکن شوال سے پہلے مجھے آپ کے ارادے کا علم ہونا چاہیے تاکہ امکانی سعی کی جا سکے۔

"تانیب الخطیب"، کا کوئی نسخہ آجائے تو میرے لئے ضرور ارسال کیجے مولانا سید احمد رضا صاحب کا خط بھی ملا۔ ان سے بھی سلام مسنون فرمادیں کہ حافظ صاحب سے وصول کر سکی جو مناسب تجویز کی جائے میں انشاءاللہ اس میں پوری مدد کروں گا

احباب کو سلام مسنون۔ عزیزی یعیش[2] اچھا ہے مگر آج کل کچھ گرمی ماں رہا ہے دعا فرماتے ہیں

شبیر احمد عثمانی از دیوبند[3]

---

۱ حافظ محمد یوسف صاحب نواسہ تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر رہے۔ ان کو مولانا عثمانی رح نے کسی سے قرض دلوایا اسی کی طرف اشارہ ہے۔

۲ : مولانا یحییٰ تھانوی کی شادی علامہ عثمانی کی بھتیجی سے ہوئی جسے مرحوم نے پالا تھا اسکے لڑکا کا نام ہے۔ آجکل اسلامیہ کالج کراچی میں لیکچرار ہیں۔

۳ مولانا نے تاریخ نہیں لکھی، البتہ ڈاک خانہ کی مہر میں ۱۹ جون ۴۲ء درج ہے۔



برادرم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بے شک آپ کے کئی خطوط مجھے ملے جواب میں حسب عادت تاخیر ہوئی دارالعلوم کے معاملات اور اکثر امراض کا تسلسل مانع ہوا۔ آپ برا نہ مانیں۔ آپ کی محبت قلب میں جاگزین ہے اور ایسے دوستوں کا تعلق مایہ فخر سمجھتا ہوں۔ آپ نے استعفاء دیدیا[4] اللہ بہتر فرمائے۔ آپ کے خریدار تو بہت ہیں خیال جامعہ کی ویرانی کا ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ کی مشیت غالب ہے مستقبل کے پردے میں کیا ہے اس کا پتہ نہیں اب "العرف الشذی"[5] کا کام پورے انہماک سے ہو گا حق تعالیٰ جلد تکمیل کرا دے طلبہ جو آپ کا خط لائے تھے ان کو داخلہ کی اجازت دیدی گئی گو زمانہ داخلہ کا نکل چکا تھا۔ میاں محی الدین صاحب عثمانی سے فرما دیجئے کہ ان کے صاحبزادہ کا خیال رکھوں گا۔ یہاں خیریت ہے امید ہے آپ سب مع الخیر ہونگے، مولانا مولوی سید احمد رضا صاحب۔ مولانا بزرگ صاحب[6] حاجی صاحب لال ماموتی صاحب اور دیگر احباب کو سلام مسنون۔ عزیزی یعیش سلمہ خیریت سے ہے۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۱۲ ذیقعد ۱۳۶۱ھ

---

۴ : مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل سے استعفیٰ بزمانہ ۱۳۶۱ھ

۵ : امام العصر کاشمیری قدس سرہ کی تقریر ترمذی شریف

۶ : جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے کرتا دھرتا اور امام العصر کاشمیریؒ کے فدائی



برادر محترم دامت مکارمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مفصل خط پہنچا، جس سے تمام حالات معلوم ہوئے، میرے گھٹنوں[7] میں اب درد اور ورم تو نہیں مگر چلنے پھرنے کی معذوری بدستور ہے، اب اطباء نے

مسہل کی تجویز کی ہے اور اس کے لئے منضج پی رہا ہوں۔

مئو والوں کو جب مولوی بدرِعالم[2] صاحب نے انکار کر دیا تھا، توان کے استفسار پر میں نے ہی آپ کا تذکرہ ان سے کیا تھا، انہوں نے اس سلسلہ میں سفارش بھی چاہی تھی مگر بعض مصالح کی بنار پر میں نے سفارش سے انکار کر دیا تھا، اب ان لوگوں نے مولانا ابراہیم صاحب کی سفارش کے ساتھ آپ سے خط و کتابت کی، مجلس علمی سے آپ کے تعلق کے سلسلہ میں جو حالات ہیں انھیں مجھ سے بہتر طریقے پر آپ ہی جان سکتے ہیں اور اس تعلق کو قائم رکھنے یا ترک کر دینے پر وہاں کے حالات کے پیش نظر آپ ہی کی رائے زیادہ قوی ہو سکتی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں اگر ذمہ داران مجلس علمی سے بحسن اسلوب آپ رخصت ہو سکیں، نیز ترمذی شریف کی جو خدمت[3] آپ وہاں انجام دے رہے ہیں وہ دوسرے کسی مقام پر بھی جاکر ہو تی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر ڈیرہ غازی خان کے مقابلہ میں مئو آپ کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کہ وہاں عرصہ سے دینی مدرسہ ہے اور علمی ماحول بھی ہے۔ میرا اپنا خیال تو یہ تھا کہ آپ کو دوبارہ جامعہ میں واپس لانے کی سعی کرتا مگر یہ بیماری اس طرح آئی کہ ابھی تک نہ ڈابھیل جانا ہوا اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ کب تک ڈابھیل پہنچوں" ادھر یہ بھی خیال ہے کہ نجانے ارکان جامعہ کا اس سلسلہ میں کیا خیال ہو ان اسباب کی بناء پر مناسب نہیں کہ دوسری کسی جگہ خیال کرنے سے بھی روکوں، بہرکیف اگر مجلس علمی سے خوشگوار طریقے سے علیحدگی ہو سکے اور پھر یہ خدمت جو آپ سے متعلق ہے اگر التوا میں نہ پڑے تو میں مئو کی اس صورت کو پسند نہیں کرتا۔ امید ہے آپ بخیریت سے ہوں گے اپنی صحت و عافیت کیلئے آپ سے دعا کا امیدوار ہوں مولانا احمد رضا صاحب مولانا احمد بزرگ صاحب حاجی ابراہیم صاحب اور حاجی ابراہیم میاں صاحب کو سلام پہنچا دیں۔ میں خود خط نہیں لکھ سکتا اس لئے دوسرے کسی آدمی سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔

والسلام

(بدستخط خود) شبیر احمد عثمانی

۴ ذوالحجہ ۱۳۶۳ ھ



[1] گھنٹیا کے درد کا علامہ کو عارضہ تھا اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[2]: میرٹھ کے رہنے والے، امام العصر کاشمیری کے مخصوص شاگرد آپ کی تقریریں مرتب کر کے "فیض الباری" چار جلدوں میں مرتب فرمائی، حضرت علامہ کاشمیری کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے ۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے، پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے ۱۹۶۵ء میں وہیں انتقال فرمایا۔ بقیع میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

[3]: مراد معارف السنن ہے۔

برادر محترم بعد سلام مسنون، آنکہ چند روز سے کچھ خطوط لکھنے لگا ہوں آپ کا محبت نامہ آیا تھا، جواب میں تاخیر ہوئی، مسامحت فرمائیں الحمد اللہ اب مجھے نسبتاً بہت افاقہ ہے، گھر میں کچھ چل پھر سکتا ہوں مگر قضا حاجت وغیرہ احوال میں معذوری باقی ہے، نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں، وضو بھی خود کرنا مشکل ہے بہر حال بالکلیہ صحت نہیں ہوئی۔ دعا کا طالب ہوں۔ سفر حیدرآباد کا حال معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔

امید ہے آپ مع عیال خیریت سے ہوں گے، حاجی ابراہیم میاں صاحب مولانا بزرگ صاحب مولانا احمد رضا صاحب دیگر پرسان حال کو سلام مسنون پہنچے۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ ۱۱ مارچ ۴۵ء



برادر محترم دامت مکارمہم بعد سلام مسنون آنکہ پرسوں آپ کا دوسرا خط ملا۔ بچے کے انتقال سے قلق ہوا، حق سبحانہ و تعالیٰ والدین کے لئے اجر ذخر بنائے، پردیس میں آپ کو اور آپ سے زیادہ اس کی والدہ کو صدمہ پہنچا، لیکن ماشاء اللہ آپ خود علم صحیح کے ساتھ تعلق مع اللہ رکھتے ہیں، صبر کی تلقین کیجئے، جامع ترمذی میں خصوصیت کے ساتھ ثمرہ فواد کے لے لینے پر "بیت الحمد" کی بشارت موجود ہے پہلے خط میں کتاب کے متعلق جو کچھ کہا ہے، انشاء اللہ اپنی رائے قریبی فرصت میں لکھ کر روانہ کرونگا، علالت کی وجہ سے سب کام معطل ہیں، اور ہمت لکھنے پڑھنے کی نہیں ہوتی، اس ایک ماہ میں تین مرتبہ انگوٹھے کے درد اور ورم کا دورہ ہوا، ہنوز قدرے ورم اور دکھن پاؤں میں باقی ہے آٹھ ماہ سے علالت کا سلسلہ قائم ہے، افاقہ ضرور ہو جاتا ہے مگر استیصال مرض نہیں ہوتا اور معذوری ایک نوع کی باقی ہے، دعا سے فراموش نہ کریں حق تعالیٰ سے عافیت اور حسن خاتمہ کا طالب ہوں۔

خیال تھا کہ شاید پشاور سے واپسی میں دیوبند آئیں، شاید موقع نہ ہو گا، مولانا بزرگ صاحب، امام صاحب، حاجی میاں صاحب اور سب کو سلام مسنون۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۷ جمادی الاخر ۱۳۶۴ھ

برادر محترم بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا اس سے پہلے بھی دو خط مل چکے تھے، جواب لکھنے کا ارادہ برابر کرتا رہا، مگر کچھ تو کاہلی اور کچھ وقتاً فوقتاً عوارض کا لحوق پھر رمضان میں روزے کا ضعف موجب تاخیر ہوا، الحمد اللہ کہ اب پہلی تکلیف بہت ہی خفیف باقی ہے البتہ چار پانچ روز سے کچھ بدن کے بعض حصوں پر پھنسیاں نکل آئی ہیں، جن کی وجہ سے بیٹھنا مشکل ہے، یہ خط بھی مولوی ظہور احمد صاحب (مدرس دارالعلوم دیوبند) سے لکھوا رہا ہوں آپ نے جو حالات مولانا سید سلیمان صاحب کے اور ان کی معیت کے لکھے ہیں، ان سے مسرور اور خوش وقت ہوا، امید ہے انشاء اللہ ملاقاتیں

ایک سلسلہ خیر کی بنیاد ثابت ہوں گی، جامع ترمذی کی خدمت کے سلسلہ میں تخریج مانی الباب کا التزام نہایت مفید اضافہ ہے حق تعالیٰ اہتمام کو پہنچائے، آپ کی اس خدمت کے متعلق میرے قلبی تاثرات بہت گہرے ہیں، انشاء اللہ کسی اطمینان کے وقت زبانِ قلم سے ان کے اظہار کی نوبت آئے گی، حیدرآباد کی نسبت آپ نے سن ہی لیا ہوگا کہ خود حضور نظام نے اپنے نام سے مجھے یہ تار دیا کہ میں مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی اور نظامت پر آپ کا تقرر کرنا چاہتا ہوں اور یہ معلوم کر کے میں بہت خوش ہوں گا کہ آپ میری اس پیش کش کو منظور کرتے ہیں، اس کے بعد بھی تین تار چیف سیکرٹری کے نام سے آئے جو حضور کی طرف سے تھے آخری تار جو میرے مفصل معروضہ کے جواب میں تھا۔ اس کا حاصل صرف یہ تھا کہ جس وقت آپ سفر کے قابل ہو جائیں، اکتوبر تک یہاں پہنچ کر مجھ سے خود ملیں تاکہ معاملے کا تصفیہ براہ راست ہو، بہر حال جانا تو اب بعد رمضان ناگزیر ہے وہاں جا کر جو تصفیہ ہو اعلیٰ حضرت کے خیالات آجکل مدرسہ نظامیہ کے بارے میں بہت اعلیٰ اور وسیع ہیں تعمیرات بھی سب کرا کر کئی لاکھ روپیہ لگا کر نئی بنانے کا ارادہ ہے اور اس کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اگر مناسب صورت مجھے نظر آئی تو کیا آپ میرے پاس وہاں قیام کر سکتے ہیں، آئندہ چل کر جواب سے ضرور مطلع کیجیے والسلام

مولوی محمد یحییٰ صاحب اور حافظ الوقت ظہور احمد کی جانب سے سلام فقط

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔

۱۳ رمضان ۶۴ ۱۳ ھ

عقل ومذہب کا باہمی ربط

مولانا سید محمد زکریا بنوری (مرحوم)

جب عقل و مذہب کے احکام انسان کے فطری ابھار پر پابندیاں عائد کرتے ہیں تو یہیں سے انسانیت کی حد حیوانیت سے الگ ہو جاتی ہے، ورنہ نباتات اور حیوانات کی طرح خود رو انسانی پودے دیگر مخلوقات سے الگ کوئی برتری اور شرافت نہ رکھتے، تمدن و تہذیب کی بنیاد اور اخلاق و کردار کا نام نشان نہ ملتا۔

جذبۂ ترقی جو انسانیت کی معراج رواں ہے اور حیوانات سے الگ صرف انسان ہی میں پایا جاتا ہے یکسر معدوم ہو جاتا۔ فطرت انسانی کے ہوتے ہوئے شجرِ علوم و فنون کی جڑ ہی کٹ جاتی، نہ کوئی رہبر ہوتا نہ کوئی ہادی، اور نہ کوئی استاد ہوتا نہ معلم بس خود فطرت ہی انسان کی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کر لیتی، اور انسانیت کا شجرِ طوبیٰ اپنی نشو و نما، بالیدگی و پھیلاؤ جذبات غم و رنج مسرت و خوشی اور اعتقادات و اعمال میں قطعاً آزاد ہوتا۔ فطرتِ آزاد پر پابندیاں یا قیود ہی غیر مہذب سے مہذب کو الگ اور جاہل کو عالم سے جدا کرتی ہیں۔ اخلاقیات ہی اچھے اور برے اخلاق کا حقیقی معیار قائم کرتی ہیں۔ کیا تمدن و تہذیب اور اخلاق و معاشرت کی تمام بندشیں یا قیودات غیر فطری اور غیر ضروری ہیں؟ کیا یہ قیودات انسان کی صحیح آزادی کو فنا کرنے والی ہیں؟ کوئی سلیم العقل انسان ان قیودات کو فطرت کے لیے مضر اور غیر ضروری نہیں قرار دے سکتا۔ بلکہ ان قیودات اور پابندیوں کو عین تہذیب و شائستگی خیال کیا جاتا ہے۔

اگر آپ بنظر غائر اس بحث پر غور فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ انسانیت کی برتری اور شرافت کا یہ بلند مینار جس کی روشنی سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا رہا ہے ان ہی قیودات اور بندشوں کی بنیادوں پر استوار ہے پھر آپ مذہب اور احکام مذہب کی قیودات کو جو درحقیقت انسانی سادہ فطرت کی صحیح رہنمائی کرتی ہیں کیوں انسانی آزادی کے خلاف تصور کرتے ہیں؟ اور مذہب کو آزاد خیال اور ضمیر کے لیے بوجھل زنجیر کس وجہ سے تصور کئے ہوئے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ پابندیاں فطرت کے خلاف یا اس کی ضد نہیں ہیں بلکہ فطرت کے مقاصد کی تشریح اور ان کی تعیین کرتی ہیں۔ عقل اور مذہبی پابندیاں عملی زندگی کو مفید سے مفید تر بناتی ہیں تفصیل سے یوں سمجھئے کہ فطرت کے ابھار اور لطیف اشارے عقل اور مذہب کی رہنمائی ہیں مفید اور بہتر ثابت ہوئے ہیں، اگر ان کی رہنمائی نہ ہو تو انسانیت سے جو مقصد ہے اس کی تکمیل ناممکن ہو جائے اور مقصد فطرت معدوم ہو جائے اس مقام پر پہنچ کر ہم اس حقیقت سے آشنا ہو جاتے ہیں کہ فطری جذبہ کے ہوتے

ہوئے عقل و مذہب کی کیا ضرورت ہے؟ کیا صرف فطری ابھار، بدون عقل و مذہب کے رہنمائی کیلئے کافی نہ تھا جس طرح دیگر مخلوقات نباتات و حیوانات میں ہے؟ ظاہر ہے کہ انسانیت نام ہی ان فیوضات کا ہے، اور جس چیز نے انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز اور بلند کیا ہے وہ یہی دو چیزیں ہیں جن کو ہم عقل و مذہب کہتے ہیں۔

بھوک پیاس، خواہش جنسی وغیرہ کے سارے ابھار اور جذبات حیوانات کی طرح انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انسان عقل اور مذہب کی رہنمائی میں ان سارے فطری جذبات کو بہتر سے بہتر اور مفید سے مفید تر طریقوں سے پورا کرتا ہے اور یہی طریقے تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح میلانِ عبادت اور خدا کے آگے جھکنے اور اس کو ماننے کا سادہ جذبہ عقل اور وحی کی رہنمائی میں انسان کو صحیح راستہ پر گامزن کر دیتا ہے اور اس کو مافوق الفطرت ہستی کی ذات اور اس کی عبادت کے متعلق صحیح ایمان و ایقان عطا کرتا ہے۔

غرض مافوق الفطرت ہستی (خدا) کا اعتقاد انسانی یا روح کا لطیف اشارہ ہے۔ الہامی اور مذہبی پابندیاں جن کو پیغمبران ذیشان اپنے اپنے زمانہ میں ظاہر فرماتے ہیں فطرت کے اسی لطیف اشارہ کو صحیح راستہ پر ڈالتی ہیں، اور اس طرح انسان ہدایت و رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اب آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ عقل و مذہب کی پابندیاں فطرت کے منافی اور خلاف و متضاد نہیں ہیں بلکہ خود فطرت اور مقاصدِ فطرت کی مفسر اور معین و مددگار ہیں۔

عقل اور وحی

مذہب کے فطری ہونے کے بعد قدرۃً یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ عقل انسانی کے ہوتے ہوئے الہام اور وحی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا انسانی فطرت کے لطیف ابھار اور سادے اقتضاء کی رہنمائی عقل نہیں کر سکتی؟ کیا عقل کی روشنی میں مذہب کے فطری تقاضہ کی رہنمائی نہیں ہو سکتی؟ اور اگر مذہبی جذبہ کی تشریح اور رہنمائی عقل نہیں کر سکتی تو پھر عقل بیکار ہو جاتی ہے، یا کم از کم مذہب کے احکام میں عقل سے کام نہیں لیا جا سکتا؟ غرض مذہب اور عقل میں کیا تعلق اور رابطہ ہے؟

اس طرح کے سوالات اس مذہب کے بارہ میں اور بھی اہم ہو جاتے ہیں جس کا دعویٰ ہو کہ وہ معقول ہے، فطری ہے، اس کے احکام عقل کے خلاف نہیں، اور خداوند تعالیٰ نے جو فطری قوتیں انسان میں ودیعت فرمائی ہیں۔ مذہب کی ان سے جنگ نہیں ہے بلکہ وہ تقاضائے فطری کی مانگ کو پورا کرنے والا اور اس کے عین مطابق ہے۔

جس مذہب کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو وحی اور الہام کے دائرے سے باہر ہو، ایسے مذہب کے بارے میں یہ سوال زیادہ سے زیادہ غور طلب ہو جاتا ہے کہ اس نے عقل کے دخل کو کہاں تک قبول کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے ہمیں حسب ذیل امور پر غور کرنا چاہیے۔

(۱) کیا عقول انسانی متفاوت ہیں؟

(۲) کیا عقل انسانی حواس کے تابع ہے؟

(۳) کیا خواہشاتِ نفسانی کے طوفان میں عقل کی سلامتی کے لیے کسی دوسری چیز کی مدد کی ضرورت ہے؟

امرِ اوّل

"عقل انسانی متفاوت ہے" یہ اہل نظر کا مسلّمہ اصول ہے۔ صرف عوام ہی کی عقل (میں کم اور زیادہ کا فرق نہیں بلکہ خواص علمائے فن بھی اس فرق مراتب اور مدارج کے تفاوت سے باہر نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اور عقلا کی آرا میں ہمیشہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ فطرت کے اس سادہ مذہبی ابھار کی تشریح اگر عقلائے زمانہ کے سپرد کر دی جائے تو فطرت انسانی کے مقصد مذہبی کو متعین کرنے میں کس قدر اختلافات ہوں گے، اور ان اختلافات میں مقصد فطرت گم ہو کر رہ جائے گا۔ ہر آن اور ہر لحظہ عقل کے تفاوت سے مذہب بدلتا رہے گا، کیا اس صورت میں بنی نوع انسانی کی عام سادہ فطرت کے مطابق مذہب متحدہ کا تعین ہو سکے گی؟ ظاہر ہے کہ اس کا یقین تو کجا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے عقل محض فطرت کے مقصد مذہبی کو معین کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی کیونکہ عقل انسانی کا تو یہ حال ہے کہ آج جو چیز درست مانی جاتی ہے کل کی تحقیقات اس کو رد کر دیتی ہیں۔ کیا فطرت انسانی کے اس سادہ ابھار کو، جو جذبۂ مذہبی کے نام سے موسوم ہے اور جو انسانیت کے مقصد کو متعین کرتا ہے —— ان متفاوت عقول کے سپرد کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

امرِ دوم

اس کے سوا غور طلب امر یہ ہے کہ عقول میں اختلاف کی کیا وجوہات ہیں؟ اس اختلافِ عقل کی بنیادی وجہ ایک تو یہ ہے کہ عقل حواس کے تابع ہے، جوں جوں انسانی حواس کی دسترس وسیع ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے اس کے عالم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، کیونکہ انسان انہیں چیزوں میں عقل صرف کر سکتا ہے جن کا علم حواس کے ذریعہ ہوا ہو۔ جس چیز کو آدمی نے نہ دیکھا ہو، نہ سنا ہو، نہ سونگھا ہو اور نہ چھو کر معلوم کیا ہو اس کے بارہ میں انسان عقل صرف ہی نہیں کر سکتا، کچھ بھی

نہیں سوچ سکتا۔ اس لیے کہ عقل حواس کے پیچھے چلتی ہے، حواس کے تابع ہے، حواس خود انسانوں کی مختلف قوتوں کے ہوتے ہیں اور حواس کے استعمال کے مواقع تمام انسانوں کو یکساں حاصل نہیں، اور نہ حواس کو تیز کرنے کے جدید آلات کی کوئی تجدید ہو سکتی ہے، اس لیے اختلاف ہی اختلاف رہ گیا، اور یہ ممکن نہیں کہ ہم ایسی عقل کے سپرد مذہبی جذبہ کو کر دیں جو حواس کے تابع ہے، ہاں عقل انسانی ان چیزوں تک پہنچ سکتی ہے جن کو براہ راست اگرچہ اس نے نہیں دیکھا لیکن ان کے آثار و صفات دیکھے ہیں جیسے دھوئیں سے آگ کا اور نشان قدم سے گذرنے والے کا علم۔

امر سوم

مذکورۂ بالا دو وجوہات کے علاوہ انسان کے ساتھ جو خواہشات کا لشکر ہے ان میں پھنس کر عموماً عقل سلامت روی سے نکل جاتی ہے۔ بلکہ عقل خواہشات کے مطابق دلائل گھڑنے کی عادی ہو کر نامعقول اور الٹی کو سیدھی بنا کر ثابت کرتی ہے۔ کیا ان حالات کے تحت یہ صحیح ہے کہ عقل کے ہوتے ہوئے کسی دوسری چیز —— الہام و وحی —— کی کیا ضرورت ہے؟

عالم غیب

پھر مذہب کے وہ احکام جو مشاہدات اور حواس سے باہر ہیں، جو عالم غیب سے متعلق ہیں، ان کو عقل کے سپرد کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ عقل جس کو سوچ نہیں سکتی، اس کو ثابت کیسے کرے؟ جہاں رہبر خود گم ہو وہاں وہ دوسروں کو ہدایت کیسے کر سکتا ہے؟

غرض مذہبی فطری جذبہ کی تشریح کے لیے محض عقل ہرگز کافی نہیں ہے۔ علوم عقلیہ خواہ ارتقاء کے کسی مدارج پر پہنچ جائیں، خواہ زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہو جائیں، لیکن فطرت انسانی کے اس مقدس مقصد کی تفسیر ان کے حوالہ نہیں کی جا سکتی، عقل انسانی زیادہ سے زیادہ جو کام انجام دے سکتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کا علم حاصل کرے، لیکن اس کا صحیح استعمال —— جو انسانیت سے مطابقت پیدا کرے —— محض عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کی گمراہی کے لئے انسان کے پاس کافی سرمایہ ہے، اور اس سرمایہ کا استعمال وہ اپنے بیشمار مگر گمراہ طریقوں سے کرتا ہے، جو صورت میں ہدایت ہی ہدایت معلوم ہوتے ہیں۔

عقل کی سلامتی کے لئے وحی والہام ناگزیر ہے

اس امر کے مان لینے کے بعد کہ تنہا عقل انسان کے فطری جذبہ کی صحیح تشریح کے لیے ناکافی ہے۔ لیا اوقات رد عمل یہ ہوتا ہے کہ عقل کی مذہب میں کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مذہب کا نام لیتے ہی عقل کو دور کر دینے اور عقل سے دستبردار ہو جانے کا صحیح راہ عمل تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ امر کہ عقل کی مذہب میں ضرورت نہیں اسی قدر گمراہ کن اور غلط ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ جس قدر یہ بات کہ عقل انسانی ہدایت کے لئے کافی ہے اور الہام و وحی کی ضرورت نہیں۔ فطری مذہب وہی ہو سکتا ہے جو قوائے فطری کی مانگ پورا کرتا ہو اور جس کی فطرت انسانی سے جنگ نہ ہو، جس کی بنیاد معقول ہو، خصوصاً وہ مذہب جو عالمگیر ہو، جس کا دعویٰ ہو کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں میری ضرورت ہے، جو جاہل و عالم، عقیل و حکیم اور ہر انسان کے لیے آیا ہو، ایسے مذہب کے متعلق یہ تصور کرنا کہ عقل کا اس کے حدود میں گزر نہیں ہے کس قدر ظلم ہے اور جبکہ عقل انسانی فطرت میں پائی جاتی ہو تو اس سے گریز کیونکر ممکن ہے اس لیے ہم کو فطرت، مذہب اور انسانیت کی ہدایت کے لیے صرف عقل یا صرف الہام و وحی کی نہیں بلکہ دونوں کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ عقل کو چھوڑ کر اگر صرف الہام و وحی پر مذہب کو موقوف رکھا جائے تو یہ جبر ہوگا، انسانی ارادہ اور اختیار کو اس مذہب میں دور کا بھی دخل نہیں ہو سکتا، حالانکہ انسان مکلف ہے اور اس کو عقل اسی کام کے لیے دی گئی کہ وہ اس کو مشعل راہ بنائے، تدبر و تفکر اور غور و خوض کرے۔

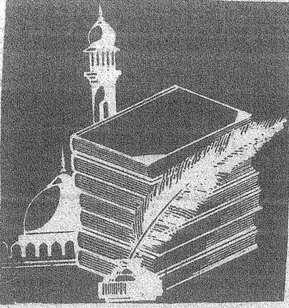
لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ عقل انسانی کی ضرورت ہے، لیکن وہ بغیر الہامی اور مذہبی رہنمائی کے انسان کو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتی، اس لیے نہ ہم عقل کی رہنمائی سے دست کش ہو سکتے ہیں —— کہ عقل انسان کے لیے چراغ راہ ہے —— اور نہ ہم صرف عقل پر بھروسہ کر سکتے ہیں —— کہ اس میں ہلاکت و گمراہی کا یقین ہے اور غیبی امور اس کے حدود ہی سے باہر ہیں —— اس لیے عقل اور الہام و وحی دونوں کی ضرورت ہے، انسانی جذبۂ مذہب کی تشریح عقل کرتی ہے، اور عقل کو الہام و وحی گمراہی سے بچاتے ہیں، ان دونوں کا امتزاج ہی انسان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت نقل کی جائے جس کو ابو الشکور سالمیؒ نے اپنی کتاب تمہید میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ (عقل سے خداوند تعالیٰ نے) سوال کیا بتا میں کون ہوں؟ عقل، خاموش رہی، کچھ نہ کہہ سکی، پھر اسے اللہ تعالیٰ نے نور معرفت سے آمیز کیا تو عقل پکار اٹھی۔ آپ وہی تو ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ایک ہیں اور تنہا ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قسم ہے اپنی ربوبیت کی میں نے تجھ سے بہتر کوئی چیز پیدا نہیں کی۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

خرد سے آدمی روشن بصر ہے — خرد کیا ہے چراغ رہگذر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا — چراغ راہ گزر کو کیا خبر ہے

تقریظ و تنقید





سیرت منصور حلاج رحمۃ اللہ

شیخ فنا فی اللہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ چوتھی صدی ہجری کے مقبول بارگاہِ حمد بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عشق و عرفان کی بلندیوں سے سرفراز فرمایا تھا اور بقول مولانا محمد تقی عثمانی . . . . دورِ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات عشقِ الٰہی سے قطع نظر بعد کے ادوار پہ سرسری نظر ڈالی جائے تو بھی امتحانات و آزمائشوں کی فہرست بہت طویل ہو جاتی ہے، اسی طویل فہرست میں حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ "انا الحق" کا ایم گرامی بھی جلی حروف میں لکھا جائے گا . . . .

"انا الحق" کا نعرہ کیا لگا کہ آپ کا جینا مشکل ہو گیا اور پھر نوبت قتل تک پہنچی، اُدھر تو یہ ہوا اور اِدھر آج تک ان کی عظمت و دیانت کے متعلق شکوک و شبہات کا سلسلہ ہے کہ ختم نہیں ہو رہا۔ وجہ واضح ہے کہ اہلِ تاریخ نے روایتی تساہل سے کام لیا، اور رنگ آمیزی کا طریقہ اختیار کیا . . . . تاہم عرفاء و کاملین نے آپ کی جلالتِ شان کو سمجھا بھی اور اسکی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔

چودھویں صدی ہجری کے عظیم انسان حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے توجہ فرمائی تو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کو حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے مماثل پایا، اور پھر آپ نے اس طرف توجہ دی کہ آپ کے صحیح حالات مرتب ہو کر سامنے آ جائیں۔ آپ نے عربی ماخذ میں سے روایات اکٹھی کر کے اپنے خادم خاص مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمہ کو اس کام پر لگایا، جنہوں نے جمع شدہ مواد کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب فرمائی۔ جس کا نام حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "القول المنصور فی ابنِ منصور" رکھا اور اس پر تقریظ بھی لکھی۔ یہ کتاب چھپی اور لاتعداد انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنی۔

اب وقت کافی گزر چکا تھا، کتاب ختم تھی، تو مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴ کے ارباب حل و عقد نے دوبارہ اشاعت کا اہتمام کیا، اور نہ صرف اشاعت کا اہتمام کیا بلکہ دارالعلوم کے شعبہ تصنیف کے رکن اور صاحبِ صلاحیت نوجوان مولانا حسین احمد نجیب نے دورِ حاضر کے تصنیفی ذوق کے مطابق کتاب کی تہذیبِ جدید کر کے اس کو چار چاند لگا دیئے۔ اس طرح یہ جامع اور مفصل سوانح عمری تیار ہو گئی، جس میں ایک مقدمہ اور چار ابواب ہیں اور منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ سے متعلق قریب قریب تمام جزئیات من و عن، اس میں آ گئی ہیں۔

اللہ تعالےٰ اربابِ مکتبہ کو جزائے خیر دے اور مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ۲۷۸ صفحات کی یہ خوبصورت کتاب صرف ۱۶ روپے میں مکتبہ دارالعلوم کراچی سے دستیاب ہے۔

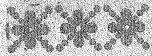
مجموعہ رسائل

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزندِ رشید اور بعد میں اس کے ناظمِ تعلیمات مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے مذاہبِ باطلہ اور بے دین و الحاد پسند فرقوں کی تردید کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ نے تقریر و تحریر کے ذریعہ رفض و قادیانیت اور اہلِ بدعت و ضلالت کے خلاف جو کام کیا اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ آپ کے گیارہ رسائل پر مشتمل ہے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

فتح قادیان کا مکمل نقشۂ جنگ .... مرزائیوں کو چیلنج .... مرزائیت کا خاتمہ .... مرزائیت کا جنازہ بے گور و کفن .... مرزائیوں سے خدائی مباہلہ .... مرزا اور مرزائیوں کو دربارِ نبوت سے چیلنج .... قادیان میں قیامت خیز زلزلہ .... الابطال لاستدلال الرجال .... تعلیم الخبیر فی حدیث ابنِ کثیر .... مرزائیوں کے گلے میں لعنت کا طوق .... صاعقہ آسمانی بر قادیانی ....

ان میں سے ہر رسالہ قادیانیت کے لیے ایٹم بم کی حیثیت رکھتا ہے اور مدتیں گزر جانے کے باوجود قادیانی دنیا ان کے جواب سے دم بخود ہے۔ مجلس تحفظ ختمِ نبوت پاکستان جو قادیانیت کے خلاف ہر محاذ پر کام کرنے والی ایک منظم جماعت ہے، اب لٹریچر کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں قادیانیت سے متعلق انتہائی قابلِ قدر اور قیمتی مواد چھپوا دیا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ساتھ ہی مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اپنے فاضلانہ قلم سے "قادیانی عقائد" پر مشتمل ایک رسالہ مرتب کر کے شامل کر دیا ہے جو "اپنی صورت اپنا آئینہ" کے مصداق ہے۔

۴/۵۰ روپے میں یہ مجموعہ مجلس تحفظ ختمِ نبوت پاکستان، تغلق روڈ ملتان کے مرکزی دفتر سے دستیاب ہے۔



پبلشرز مولانا عبید اللہ انور، پرنٹرز الٰہی بخش، مطبع کاسمو پرنٹرز موری گیٹ لاہور

۲۳۶۱

مولانا آزادؒ پر چند علمی اور اشاعتی کام

مولانا ابوالکلام آزادؒ برصغیر پاک و ہند کی ایک بڑی باکمال شخصیت تھے۔ وہ ایک جید عالم دین، بلند پایہ ادیب، صاحب طرز انشا پرداز، شعلہ نوا خطیب، جنگ آزادی کے صف اول کے رہنما اور جدید ہندوستان کے معماروں میں اعلیٰ مرتبے کے شخص تھے۔ ان کی تصانیف اردو ادب، تاریخ، سیاست اور مذہب کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں ان کی کئی کتابوں کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن آئے، ان کے مقالات و خطبات کے چند مجموعے آئے۔ ان پر بعض نئی تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں اور انگریزی اور سندھی زبانوں میں ان کی چند کتابوں کے ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں جو ہندوستان اور پاکستان سے گذشتہ چند برسوں میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ ترجمان القرآن، مولانا آزاد کی مشہور تفسیر ہے۔ پہلے دو جلدوں میں تھی۔ اب بعض اضافوں کے ساتھ چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ جو ڈاکٹر سید عبداللطیف نے کیا تھا جو تین جلدوں میں ایشیا پبلشنگ ہاؤس بمبئی سے چھپ گیا ہے۔ اردو کی پہلی جلد اور انگریزی کی دو جلدیں سندھ ساگر اکادمی لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔ بقیہ جلدیں بھی شائع ہو رہی ہیں۔

۲۔ تذکرہ: مولانا آزاد کی مشہور خود نوشت جس میں ان کے اپنے حالات سے زیادہ ان کے خاندان کے بعض بزرگوں کے حالات ہیں۔ دہلی سے اس کا نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

۳۔ غبار خاطر: نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی کے نام مولانا آزاد کے خطوط کا مجموعہ۔

۴۔ خطبات آزاد: مولانا آزاد کی پندرہ اہم تقریروں کا مجموعہ، یہ چاروں کتابیں ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ تذکرہ اور غبار خاطر کی ان اشاعتوں کی نقل پاکستان میں بھی کی جا رہی ہے۔ ۲ تا ۴ کتابیں اردو کے نامور ادیب اور محقق مالک رام نے مرتب کی ہیں۔

۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد: مولانا کی شخصیت اور ان کی علمی و قومی خدمات کے تعارف کے لئے یہ کتاب اردو کے مشہور شاعر اور ادیب عرش ملسیانی نے لکھی ہے اور پبلی کیشن ڈویژن، گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کی ہے۔

۶۔ نقد ابوالکلام: وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی (آندھرا) میں شعبہ اردو، فارسی عربی کے صدر ڈاکٹر رضی الدین احمد نے ۱۱۵ صفحے کی یہ ضخیم کتاب مولانا کے ارباب کے بارے میں لکھی ہے اور مذکورہ یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ابوالکلام آزاد ——— احوال و آثار: مختلف اہل علم کے مضامین کا یہ مجموعہ جو مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت، افکار اور خدمات کے تعارف میں ہے مولانا آزاد میموریل اکیڈمی لکھنؤ کے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتب مسعود الحسن عثمانی ہیں۔

۸۔ آئینۂ ابوالکلام: مولانا آزاد پر مختلف حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو عتیق صدیقی نے مرتب کر کے دہلی سے چھپوایا ہے۔

۹۔ پولیٹیکل فلاسفی آف مولانا ابوالکلام آزاد: سری واستوا کی تحقیقی کتاب جو ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

۱۰۔ دی رول آف مولانا ابوالکلام آزاد ان پالیٹیکس: آر سبرامونیا کی تصنیف جس کا ایک باب نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ میں ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء کے اسپیشل نمبر میں چھپا ہے۔

۱۱۔ قومی آواز لکھنؤ: یوپی کا مشہور اردو روزنامہ جس نے ۲۶ فروری ۱۹۷۷ء کو آزاد نمبر شائع کیا۔

۱۲۔ نیشنل ہیرالڈ: ہندوستان کا مشہور انگریزی اخبار جو لکھنؤ اور دہلی سے بیک وقت شائع ہوتا ہے۔ مولانا آزاد کی ۱۹ ویں برسی کے موقع پر ایک نہایت شاندار اسپیشل نمبر شائع کیا۔ ۲۷ صفحوں میں تقریباً ۶۰ مضمون ہیں اور مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت، افکار و خدمات، مولانا کے معاصر، تحریکات، رجحانات تعلیم ادب، فنون لطیفہ وغیرہ کے بے شمار پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

گذشتہ چند برسوں میں پاکستان سے بھی متعدد اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں اور بعض زیر اشاعت ہیں۔

۱۔ رسول رحمتؐ: سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مولانا آزاد کے نایاب مضامین و خطبات کا مجموعہ جو برصغیر کے مشہور صحافی اور صاحب قلم

غلام رسول مہر نے مرتب کیا ہے۔

۲۔ انبیائے کرام :۔ انبیاء کے متعلق مولانا آزاد کے مضامین کا مجموعہ۔ اس کے مرتب بھی مہر صاحب ہیں۔ یہ دونوں کتابیں شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کی ہیں۔

۳۔ ابو الکلام آزاد :۔ غلام رسول مہر نے مولانا آزاد پر ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ اس کے چار باب مکمل اور پانچواں ادھورا تھا کہ مہر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اب یہ تمام صفحات نقوش کے شمارہ جنوری ۱۹۷۷ء میں چھپ گئے ہیں مولانا آزاد اور مہر صاحب دونوں مرحومین کے تعلق سے یہ ایک نادر اور اہم تحریر ہے۔

۴۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کے بارے میں مولانا آزاد نے کیا کہا تھا؟ احمد حسین کمال کی تالیف جو انہوں نے مولانا آزاد کی تحریروں اور اپنے خیالات سے مرتب کی ہے۔ مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) اور مغربی پاکستان کے اتحاد کے انجام اور پاکستان میں مقامی اور غیر مقامی کے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں مولانا کے خیالات۔

۵۔ جنگ آزادی کا ایک باب :۔ اس کتاب میں محمد سرور صاحب نے نیشنلسٹ مسلمانوں خصوصاً مولانا آزاد کی سیاسی خدمات، ان کے اخلاص اور پاکستان کے بارے میں ان کے رویے کا ذکر کیا ہے۔ سندھ ساگر اکادمی لاہور سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔

۶۔ ارمغان آزاد :۔ اس کتاب میں ابو سلمان شاہجہان پوری نے الہلال (بدر وڈ) سے قبل کے مولانا آزاد کے ۱۲ مضامین اور ان کا تمام دستیاب شدہ کلام جمع کر دیا ہے۔ یہ سلسلے کی پہلی جلد ہے۔ اسے کلیات آزاد (حصہ اول) کا نام دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ یہ کتاب آزاد اکیڈمی کراچی ۱ سے شائع ہوئی ہے۔

۷۔ تحریک نظم جماعت مولانا ابو الکلام آزاد :۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے نظم و اتحاد اور سماجی، تعلیمی اور تہذیبی مسائل کے لئے مولانا آزاد نے ۱۹۱۴ء میں تحریک نظم جماعت شروع کی تھی جو اپنوں اور بیگانوں کی اندازہ ناشناسیوں کی بدولت ختم ہوگئی۔ اس تحریک کی جامع تاریخ ابو سلمان شاہجہانپوری کے قلم سے، زیر اشاعت۔

۸۔ ہندوستان میں ابن تیمیہ :۔ پاکستان کے مشہور صحافی اور بلند پایہ سیاسی شاعر آغا شورش کاشمیری مرحوم مولانا آزاد کے بڑے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے مولانا آزاد پر یہ جامع کتاب لکھی ہے جو ہفت روزہ چٹان لاہور کی جانب سے شائع ہو رہی ہے۔

۹۔ افادات آزاد :۔ مختلف ادبی، دینی اور تعلیمی و تہذیبی مسائل کے متعلق تقریباً پانچ سو سوالات کے جواب میں مولانا آزاد کے دو سو نایاب خطوط کا مجموعہ۔ یہ خطوط ان کے کسی اور مجموعہ مکاتیب میں شامل نہیں ہیں۔ افادات آزاد کو ابو سلمان شاہجہان پوری نے مرتب کیا ہے اور محمد اجمل خاں مرحوم پرائیویٹ سیکریٹری مولانا آزاد کے قلم سے اس پر پیش لفظ ہے۔

۱۰۔ حقیقت الجہاد :۔ مولانا کے فقہی رسائل حقیقت الصلوٰۃ، حقیقت الصیام وغیرہ کے سلسلے کا آخری رسالہ۔ زیر اشاعت بہ اہتمام آزاد اکیڈمی۔ کراچی۔